عمران سیریز

دیوانہ ایکسٹو



اظہر کلیم

ساگرزمان

اظہر کلیم

جو لوگ کام کے عادی ہوں اور مصروفیت جن کی تفریح ہو
بیکاری انہیں پاگل کر دیتی ہے
ایکسٹو اور اس کی ٹیم بیکاری کا عذاب سہہ رہی تھی
کہ ان پر ایک عجیب مصروفیت کا عذاب نازل ہوا

صفدر ان دنوں بالکل فارغ تھا۔ ایک اسی پر کیا موقوف، سیکرٹ سروس کا ہر ممبر عملاً مکھیاں مار رہا تھا۔ انھیں تازہ ترین کیس نمٹائے لگ بھگ سات ماہ کا طویل عرصہ بیت چکا تھا۔ لہٰذا باس، ان کے لیے چین ہی چین لکھ کر خود غالباً چین چلا گیا تھا۔ فرصت کے ان دنوں میں صفدر کا زیادہ تر وقت مطالعہ کرنے میں صرف ہوا یا پھر ہوٹل گردی ہوتی رہی... جہاں یکسانیت کا دور دورہ ہو، وہاں بوریت کسی گھر داماد کی طرح آ بسیرا کرتی ہے یہی بوریت رفتہ رفتہ صفدر کے ذہن پر مسلط ہو رہی تھی۔



کبھی کبھار حضرتِ عمران سے بھی ملاقات رہتی لیکن ان ملاقاتوں میں لُطف تو کم ہی آتا اور عزت اُترنے کا خطرہ زیادہ لاحق رہتا۔ وہ ہمیشہ کی طرح اپنے سدا بہار قہقہوں سمیت سامنے آتا اور پھر غائب ہو جاتا تھا۔ غائب یوں ہو جاتا کہ کبھی تو سلیمان کے ہاتھ کہلوا دیتا کہ صاحب کہیں گئے ہوئے ہیں اور کبھی خود ہی دروازے پر آ کر اطلاع دیتا کہ وہ گھر پر موجود نہیں ہے۔ ایک روز اُس نے دروازہ کھولتے ہی صفدر کو اپنی غیر موجودگی کی اطلاع دی اور پھر مشورہ دیا کہ اگر اُسے علی عمران سے کوئی ضروری کام ہے تو ملنے کا وقت نوٹ کر لے۔ صفدر نے بھی ازراہِ مذاق نوٹ بُک نکال کر لکھنا شروع کر دیا۔

اوقاتِ ملاقات کچھ یوں تھے۔ "اگر آپ کو علی عمران سے ملنا ہو تو فجر کی نماز سے دو گھنٹے قبل اور عشاء کی نماز کے چھ گھنٹے بعد تشریف لائیے۔ وقت کی پابندی ضروری ہے ورنہ ملاقات نہ ہو سکے گی اور اظہارِ افسوس کے لیے اُسے محلّے بھر میں لڈّو بانٹنے پڑیں گے۔" اس کے بعد دروازہ یوں بند ہو گیا جیسے لاکھ چیخنے چلّانے پر بھی نہیں کھُلے گا۔ صفدر کی جو حالت ہوئی ہو گی، صاف ظاہر ہے۔ وہ آئندہ عمران کے فلیٹ نہ آنے کی قسم کھا کر واپس آ گیا اور تیسرے ہی روز، توبہ میری جام شکن اور جام مرا توبہ شکن کے مصداق پھر آن موجود ہوا۔

فرصت کے ان سات مہینوں میں عمران نے اُسے ایک مرتبہ بھی اپنے گھر میں گھُسنے نہیں دیا۔ ایسی صورت میں وقت گزاری کے لیے عمران کے فلیٹ کی طرف جانے کا مطلب تھا، اس محاورے کی تفسیر جس کی رُو سے گیدڑ شہر کا رُخ کیا کرتا ہے۔

سیکرٹ سروس کے باقی ممبران بھی ہاتھ پر ہاتھ دھرے عاجز آ چکے تھے۔ کہاں کسی کیس کے دوران میں ہونے والا دھول دھپّہ، تعاقب کے سلسلے، مار دھاڑ اور ذہنی جمناسٹک کے مواقع اور کہاں ایک ہی فلیٹ میں پڑے سڑتے رہنا۔

صفدر نے بڑی ہی بیزاری سے اُس انگریزی ناول کو میز پر پھینک دیا جسے وہ ختم کرنے کے ارادے سے لے کر بیٹھا تھا لیکن ذہن پر سوار بوریت نے دس صفحات سے زیادہ مطالعہ کرنے کی اجازت ہی نہیں دی تھی۔ اُس نے فون کی طرف دیکھا جس نے تین دن ہوئے، چپ سادھ رکھی تھی۔ غضب خُدا کا، کسی دوست نے بھی کال نہیں کی تھی...

"بول پُتّو پیارے! اس وقت تمھارے بولنے کا کچھ اس بے چینی سے انتظار ہے جیسے کسی رُوٹھی ہوئی محبوبہ کی لب کشائی کے لیے کان ترس رہے ہوں۔" صفدر بڑبڑایا اور ساتھ ہی اس کی باچھیں کھِل گئیں۔

فون کی گھنٹی بجنے لگی تھی۔

اُس نے انگلیوں کو ہونٹوں سے چھُو کر ایک پٹاخے دار آواز نکالی اور فون کی طرف لپکا۔ "ہیلو، صفدر دِس سائیڈ۔"

"ایکسٹو..." دوسری طرف سے ایکسٹو کی مخصوص بھرائی ہوئی آواز آئی۔

"یس سر! ایٹ یور سروس۔" صفدر نے پُرجوش لہجے میں جواب دیا۔

"اسی وقت فلیٹ چھوڑ دو... لیکن جب تم سڑک پر پہنچو تو تمھارے گلے میں جُوتوں کا ہار ہونا چاہیے۔"

"جی..." صفدر نے لفظ 'جی' کو خاصا طویل کرتے ہوئے ریسیور کو کان سے الگ کر کے یوں دیکھا جیسے اُس میں کسی خرابی کا جائزہ لے رہا ہو۔

"کیا تم اس حکم کی تعمیل سے انکار کر رہے ہو؟" ایکسٹو غرّایا۔

"نہیں، جناب دراصل میں... میں..."

"شٹ اپ..." ایکسٹو کے لہجے میں سرد مہری تھی۔ "وقت ضائع کیے بغیر غور سے سُنو۔"

"ج... جی، میں سُن رہا ہوں۔" صفدر نے ایک طویل سانس لے کر جواب دیا۔

"جُوتوں کا ہار پہن کر تم ایسی سڑکوں پر پیدل مارچ کرو گے جن پر خاصا ہجوم رہتا ہے۔ اس سفر کے دوران میں تمھیں جو بھی گنجا دکھائی دے، تم اس کی چندیا سہلاؤ گے۔"

"ج... یس... یس سر!" صفدر نے تھوک نگلتے ہوئے کہا۔

"خیال رہے، اگر ایک بھی گنجا تمھاری دست درازی سے محفوظ رہ گیا تو سخت سزا دوں گا۔ کیا تم باہر نکلنے کے لیے تیار ہو؟"

"جو حکم جناب! ویسے کیا یہ سب کچھ کسی نئے کیس..."

"بس، جتنا کہا گیا ہے، اُس پر عمل کرو۔" ایکسٹو کی غرّاہٹ سُنائی دی اور ساتھ ہی لائن بے جان ہو گئی۔ صفدر نے ریسیور رکھ دیا اور سکتے کے عالم میں کھڑا رہا۔ اس کے ذہن میں ایک طوفان سا برپا تھا۔ نہ جانے کیوں بار بار اُسے شبہ ہونے لگتا تھا کہ وہ کوئی خواب دیکھ رہا ہے لیکن یہ کیسا خواب تھا کہ کاٹ کاٹ کر ہاتھ زخمی کر لینے کے باوجود بھی آنکھ نہیں کھُل رہی تھی۔

موسم میں خاصی خنکی تھی لیکن اس کے باوجود صفدر سر سے پاؤں تک پسینے میں نہا رہا تھا۔ اُس نے پیشانی سے پسینہ پونچھا... ایک مرتبہ تو جی میں آیا، ایکسٹو کو فون کر کے تصدیق کرے کہ کیا یہ احمقانہ حکم واقعی اُسی نے دیا ہے لیکن اگلے ہی لمحے ایکسٹو کے عتاب کا خیال آ گیا جو اس نامعقول کام سے زیادہ خطرناک ہو سکتا تھا۔ یہ خیال آتے ہی اس نے جوتے جمع کرنے شروع کر دیے۔ لگ بھگ

پھر جوڑے تلاش کرنے کے بعد اُس نے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا جس پر بارہ بج رہے تھے۔ آنکھوں میں ہلکی سرخی تھی اور بال اُلجھے ہوئے تھے۔ اس وقت وہ شب خوابی کے لباس میں تھا۔ ظاہر ہے' بیکاری کے دنوں میں سوائے سوتے رہنے کے اور کام ہی کیا تھا۔ آج بھی اُس کی آنکھ سات مہینوں کے معمول کے مطابق ساڑھے دس بجے ہی کھلی تھی۔ ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر وہ ناول لے بیٹھا تھا اور اب... ہار بنانے کے لیے مناسب جوتوں کے انتخاب کی اُلجھن کا شکار تھا۔

کام کی مناسبت سے حلیہ تو ٹھیک ہی تھا۔

اُس نے اپنا حلیہ آئینے میں طنزاً دیکھا اور چونک پڑا۔ کیا اُسے میک اپ کر لینا چاہیئے۔ یہ خیال ایک سیکنڈ کے دسویں حصے ہی میں اس کے ذہن سے نکل گیا۔ اگر میک اپ ضروری ہوتا تو ایکسٹو ضرور ہدایت کر دیتا۔ "چل بیٹے صفدر' تو بھی کیا یاد کرے گا کہ کسی باس سے پالا پڑا تھا۔" وہ آئینے میں دیکھ کر خود سے بولا اور ایک بے جان سی مسکراہٹ اُس کے ہونٹوں پر پھیل گئی۔ "گویا مجھے کسی دیوانے کا رول ادا کرنا ہے۔" وہ بڑبڑایا۔

دیوانگی کا مظاہرہ کرنے کے لیے سلیپنگ سوٹ انتہائی مناسب تھا۔ اَن گنت سلوٹوں والا یہ پرانا سلیپنگ سوٹ اپنا رنگ روپ کھو چکا تھا۔ صفدر نے آئینے کے سامنے کھڑے کھڑے اُسے چند مناسب جگہوں سے چیر پھاڑ کر چیتھڑوں میں تبدیل کر دیا۔ "چلیے' صاحب! چیتھڑے بھی جھولنے لگے۔" وہ آپ ہی آپ باتیں کر رہا تھا۔ لباس کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد اُس نے پالش کی ڈبیا اُٹھائی۔ کچھ پالش اپنے رُخساروں پر ملنے کے بعد اس نے آئینے میں خود کو زبان دکھائی۔ ایک ڈوری میں جوتے پرو کر' اس نے اُنھیں بھی کہیں کہیں سے چیر ڈالا... ویسے جوتوں کا انتخاب کرتے وقت اُس نے سب سے پرانے جوڑے ہی نکالے تھے۔ اُسے افسوس ہونے لگا کہ اُس نے یہ پرانے جوتے سنبھال کر کیوں رکھے تھے۔ اس وقت جوتے نہ ہوتے تو وہ صاف بہانہ بنا دیتا کہ جناب! میرے پاس دو ایک جوڑوں سے زیادہ ہیں ہی نہیں۔

وہ غالباً اس طرح سوچ سوچ کر خود کو تسلی دے رہا تھا لیکن کوئی بھی جواز تسکینِ قلب کا باعث نہ بنا کیونکہ جوتوں کی عدم موجودگی کو بہانہ بنا کر ایکسٹو یہ حکم بھی دے سکتا تھا کہ گلی کوچوں میں ڈھونڈ ڈھونڈ... امنا ہار بنا کر پہنو۔ ایسے میں کیچڑ آلود بوسیدہ جوتوں سے یہ جوتے بہرحال اچھے تھے جنھیں وہ اپنے پیروں میں پہنتا رہا تھا۔ اس وقت اُسے ہر چیز سے شے کی اہمیت کا احساس ہوا۔ دل ہی دل میں اس وقت کو یاد کر کے توبہ استغفار کرنے لگا' جب اُس نے ان جوتوں کی شان میں کوئی گستاخی کی ہوگی۔ گستاخی کی بھی تھی یا نہیں' بہرطور جوتے گلے کا ہار ہو کر ہی رہے تھے۔

جوتوں کا ہار پہن کر' ایک مرتبہ پھر وہ آئینے کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ ایک حسرت بھری نگاہ اپنے سراپا پر ڈالی اور ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔ "ہمیں دیکھ لے' ورنہ حسرت رہے گی۔" وہ کلکاری مار کر آئینے کے سامنے ٹھمکے لگانے لگا۔ گویا ریہرسل کر رہا تھا۔ یہ ریہرسل زیادہ دیر جاری نہ رہ سکی کیونکہ فوراً ہی اُسے ایکسٹو کا خیال آ گیا تھا۔ اُس نے رُک کر سانس لی اور مُنہ چلانے لگا۔ "نکل چلو' بھائی! دیر ہونے کی صورت میں کہیں چوراہے پر جوتوں کا ناشتہ اور ڈنر نہ کرنا پڑے... ویسے جوتے تو بے بھاؤ کے پڑیں گے' بھیّا صفدر!" وہ آئینے میں دیکھ کر مسکرایا۔ "اور مارنے والوں کو اپنا جوتا اُتارنے کی زحمت بھی نہیں کرنی پڑے گی۔ بس' ہار میں سے ایک جوتا اُچکا اور کھوپڑی پر دے مارا۔"

آئینے پر الوداعی نگاہ ڈالنے کے بعد اس نے فون کی طرف دیکھا' نگاہوں میں ایسے تاثرات تھے' گویا منتظر ہو کہ ایکسٹو ابھی اپنا حکم واپس لے لے گا... لیکن اس خوش فہمی میں اُس نے مزید وقت ضائع نہیں کیا۔ وہ دروازے تک پہنچا۔ ہینڈل گھماتے وقت اس کا ہاتھ جہاں کا تہاں رہ گیا۔ باہر راہداری میں ایک نسوانی آواز سُنائی دے رہی تھی۔

کوئی عورت کسی سے باتیں کرتی ہوئی عین دروازے کے سامنے سے گزر رہی تھی۔ صفدر دروازے سے کان لگائے' اُن کے دُور ہوتے قدموں کی چاپ سُنتا رہا۔ جب اُسے یقین ہو گیا کہ وہ کافی دُور نکل گئے ہیں تو دھیرے دھیرے دروازہ کھولا۔ دروازے میں جھری پیدا کر کے اُس نے ایک نظر باہر دیکھا' راہداری خالی پڑی تھی... وہ کم از کم اپنے پڑوسیوں کے سامنے' اس حالت میں جانے کے لیے تیار نہ تھا... راستہ صاف دیکھ کر وہ پھرتی سے باہر نکل آیا۔ وہ برہنہ پا تھا۔ ظاہر ہے' گلے میں کون سے کم جوتے تھے کہ پیروں میں بھی پہن لیے جاتے۔ جلدی سے دروازہ مقفل کرنے کے بعد اُس نے چابی دروازے کی نچلی درز سے اندر کھسکا دی۔ شاید اس اندیشے کے تحت کہ اُچھل کود کے دوران کہیں گر نہ جائے۔

راہداری اب بھی سنسان پڑی تھی۔ دوپہر کا وقت تھا' کسی کی بھی آمد متوقع تھی' اس لیے وہ تیزی سے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ وہ دل ہی دل میں دعائیں مانگ رہا تھا کہ کم از کم کسی پڑوسی سے ملاقات نہ ہونے پائے۔ ایسے میں ہر اُس گناہ گار کی طرح اُس نے بھی کسی نیکی کو یاد کرنے کی کوشش کی جو مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ سے اپنی نیکیوں کا حوالہ دے کر رحم کی اپیل کرتا ہے۔

اُس نے ایک ساتھ دو دو سیڑھیاں طے کیں اور نچلی منزل پر

آگیا۔ وہاں کی راہداری بھی خالی تھی۔ اس نے اطمینان کی سانس لی۔ اور ساتھ ہی خدا کا شکر بھی ادا کیا کہ کسی نیکی کے طفیل پہلی منزل عزت سے طے ہوگئی لیکن اُسے تین منزلیں اور اُترنا تھا۔ اس نے دوسری منزل کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھا ہی تھا کہ اُوپر آتے ہوئے کسی شخص کے قدموں کی آہٹ سُن کر چونک پڑا۔ اس نے تیزی سے دائیں بائیں دیکھا اور نیچے اُترنے کا ارادہ ترک کردیا۔ اگلے ہی لمحے وہ پھرتی سے ایک کھلے دروازے میں جا گھسا۔ یہ سراسر حماقت تھی لیکن شاید ابھی ستارے اچھی طرح گردش میں نہیں آئے تھے۔

وہ جس کمرے میں گھسا تھا، وہاں کوئی نہیں تھا۔ اس سے قبل کہ وہ دروازے کی اوٹ میں چھپتا، کوئی صاحب اسی دروازے کے سامنے آکر رُک گئے۔ صفدر کی سانسیں بے ترتیب ہوگئیں اور سینہ دھونکنی کی طرح پھولنے پچکنے لگا۔ واہ ری قسمت! جس سے چھپنے چلے تھے، اسی کے گھر میں پناہ لی۔ اس نے دل ہی دل میں سوچا اور اگلے ہی لمحے دروازے میں جا کھڑا ہوا۔ آنے والا شخص اُسے دیکھتے ہی چونکا۔ اُس نے ایک جھٹکے سے خود کو روک لیا ورنہ جھونک میں صفدر کے اُوپر ہی آ چڑھتا۔ صفدر نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، اس کی کھوپڑی پر ہاتھ جمایا اور تیر کی طرح سیڑھیوں کی طرف لپکا۔ عقب میں، پٹنے والے شخص کی غراہٹ سنائی دی لیکن وہ رُکے بغیر، تیزی سے سیڑھیاں اُترتا چلا گیا۔

ابتدا بھی خوب رہی... موصوف کی کھوپڑی انڈے کی طرح صاف و شفاف تھی جسے دیکھتے ہی ایکسٹو کا حکم اور طبیعت میں چہل ایک ساتھ پیدا ہوئی۔ اوپر راہداری میں وہ شخص اب بھی چیخ رہا تھا۔ صفدر کو اتنی فرصت کہاں تھی کہ ان مغلظات کو سماعت میں جذب کرنے کے لیے رُکتا... پھر ابھی تو مغلظات کا ایک طوفان تھا جو آئندہ چند لمحوں بعد شروع ہونے والا تھا۔ ایسے میں وہ کس کس کی سُننے کے لیے رُکتا پھرے گا۔ وہ تیزی سے سیڑھیاں اُترتا ہوا نیچے پہنچ گیا۔

عمارت کے دروازے سے نکل کر، اس نے دائیں بائیں دیکھا اور پھر آوجی تاوجی روڈ کی طرف چل دیا۔ نزدیک ترین... اور مصروف ترین سڑک اُس وقت ایک وہی سجھائی دی تھی۔



جولیا نے انگڑائی لی اور مسہری چھوڑ دی... بیکاری نے زندگی روگ بنادی تھی۔ رات کو دو بجے تک باہر رہی تھی اور واپسی کے بعد بھی دو گھنٹے تک جاگتی رہی تھی۔ مقصد صرف یہ تھا کہ آنے والا دن، بغیر کسی بوریت کے گزر جائے۔ رات دیر سے سونے کی وجہ سے

اُس کی آنکھ دو بجے بعد دوپہر ہی کھلی لیکن آنکھ نیند پوری ہونے کی وجہ سے نہیں کھلی تھی بلکہ فون کی کرخت آواز نے اُس کی نیند اچاٹ کردی تھی۔ "غالباً ایکسٹو کا فون ہے۔" وہ بڑبڑائی۔

ایکسٹو کا نام ذہن میں آتے ہی اُس کے جسم میں چستی اور تازگی کی لہر دوڑ گئی۔ اُس نے جھپٹ کر ریسیور اُٹھالیا۔ "جولیانا فٹز واٹر، سر!"

"میں تنویر ہوں، جولی!"

دوسری طرف سے تنویر کی آواز سُن کر، اس نے بُرا سا مُنہ بنایا۔ ایک مرتبہ پھر اعصاب پر شدید بیزاری کا حملہ ہوا۔ ایکسٹو کی بجائے تنویر کی آواز سُن کر، اس نے ایک طویل سانس لی اور خود پر قابو پاتے ہوئے بولی۔ "فرمائیے، کیسے زحمت کی؟"

"میرا خیال ہے، ان دنوں تم خاصی بوریت محسوس کر رہی ہو، کیوں؟"

"یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔" جولیا جھلا گئی۔ "ہر ایک تمھاری طرح نکما تو ہے نہیں کہ فرصت کی تلاش میں رہے۔"

"ہائے، فرصت... دل ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن... بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کیے ہوئے..." تنویر نے تان اُڑائی۔

جولیا نے گھڑی پر وقت دیکھا، سوا دو بج رہے تھے۔ ایسے میں تنویر سے گفتگو کرکے ہی وقت گزاری کی سبیل ہاتھ آئی تو جولیا نے اسی پر اکتفا کرنے کا ارادہ کرلیا۔ "بہت خوب... کس جاناں کا تصور کرنے جا رہے ہو؟"

"یقین کرو، جولیا! مجھے یہ چھ سات مہینے پہاڑ کی طرح دکھائی دیتے ہیں۔ کاش، تم نے میری بات مان لی ہوتی... پھر یہ سات ماہ تو کیا، آئندہ کے سات سال بھی گزرنے کا احساس نہ ہوتا۔"

"میں تمھارا مطلب نہیں سمجھی۔" جولیا نے حیرت سے کہا۔

"اس بوریت سے تو کہیں اچھا ہوتا کہ تم مجھ سے شادی ہی کر لیتیں۔" تنویر ڈھٹائی پر اُتر آیا۔

"تم نے بہت دیر کردی تنویر! کاش تم یہ درخواست ٹھیک سات ماہ پہلے کرتے۔ تب شاید میں سنجیدگی سے سوچتی۔" جولیا نے ہنسی ضبط کرتے ہوئے کہا۔

"کیا تم سنجیدگی سے کہہ رہی ہو، جولی؟"

دوسری طرف سے تنویر کی آواز سُن کر جولیا نے محسوس کیا کہ اُس کی آواز فرطِ مسرت سے کانپ رہی ہے۔ "ہاں... میں تمھاری طرح غیر سنجیدہ نہیں ہوں۔" جولیا نے بات جاری رکھی۔

"تو پھر... پھر... اب بھی وقت ہے۔ کہو تو... میں ابھی

درخواست لے کر پہنچ جاؤں، تمھارے پاس؟" تنویر نے پُرجوش لہجے میں کہا۔

"اب تو مشکل ہے ڈیئر! جہاں سات ماہ کی بوریت کا عذاب جھیل لیا، وہاں اور بھی سہی۔"

"آخر تم میرے جذبات کا مذاق کیوں اُڑانا چاہتی ہو؟"

"اس لیے کہ تم نے کبھی سنجیدگی سے مجھے چاہا ہی نہیں۔ میں تمھاری فطرت سے خوب واقف ہوں۔ پرسوں تم کس کے ساتھ تھے؟"

"اوہ... وہ... وہ تو بس یونہی ایک پُرانی شناسا تھی۔" تنویر کے لہجے سے پتہ چلتا تھا کہ اس انکشاف پر وہ بُری طرح بوکھلا گیا ہے۔

"تو پھر تم کس بوریت کا رونا رو رہے تھے، ڈیئر؟" جولیا نے شوخ لہجے میں پوچھا۔

"جولی! کاش میں اپنا دل چیر کر تمھیں دکھا سکتا۔"

"سچ کیا تم واقعی ایسا کر سکتے ہو؟"

"کیا مطلب...؟" تنویر چونک کر بولا۔

"یہی دل چیر کر دکھانے والی بات۔" جولیا نے ہنسی ضبط کرتے ہوئے کہا۔

"خدا کی قسم، جولی! یہ ستم ہے۔ تم میرے جذبات کا خون کر دیتی ہو۔ میں یہ توہین برداشت نہیں کر سکتا۔"

"حالانکہ تم مسلسل برداشت کرتے آ رہے ہو۔"

"پلیز، جولی! میرا مضحکہ مت اُڑاؤ۔ میں واقعی دل و جان سے تمھیں اپنانا چاہتا ہوں۔" تنویر کے لہجے میں استدعا تھی۔

"آخر میں کس طرح خود کو تمھاری طرف راغب کروں؟" جولیا نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا اور ہنسی روکنے کی کوشش کرنے لگی۔

"کیوں، مجھ میں کیا خرابی ہے؟"

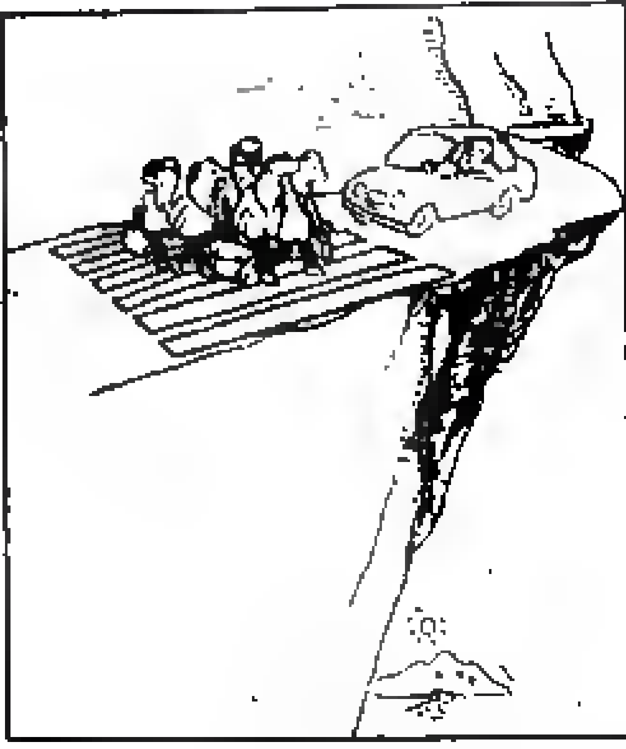
"کوئی خاص نہیں۔ بس، دو تین باتیں تمھاری غیر سنجیدگی کا احساس دلاتی ہیں۔" جولیا نے سنجیدگی سے کہا۔

"وہ کیا...؟" تنویر نے پوچھا۔

"یہی کہ تم شراب پیتے ہو۔"

"وہ تو کبھی کبھی... آخر ایک آدھ پیگ پی لینے میں کیا حرج ہے؟ لیکن اگر تم اسے بُرا خیال کرتی ہو تو میں شراب پر لعنت بھیجنے کے لیے تیار ہوں۔" تنویر کا لہجہ کھلا پڑ رہا تھا۔ شاید زندگی میں پہلی مرتبہ جولیا نے ان معاملات پر تبادلۂ خیال کیا تھا، اس لیے!

"اور یہ ریشہ خطمی ہونے کی عادت... جہاں کوئی اچھی صورت دیکھی، پھسل پڑے۔ آخر تم کس منہ سے اظہارِ محبت کرتے ہو، تنویر! کہیں تم مجھے بیوقوف تو نہیں بنا رہے؟" یہ جملہ کہہ کر جولیا نے فوراً ہی منہ پر



ہاتھ رکھ لیا، ورنہ ایک بے ساختہ قہقہہ اُبل پڑتا۔

"اوہ... لیکن جولی... میرا مطلب ہے..."

"ہاں ہاں، کہو کہ تم اپنی عادت سے مجبور ہو۔"

"خیر، تمھیں اس شکایت کا بھی موقع نہیں ملے گا۔"... تنویر جلدی سے بولا۔

جولیا کے پیٹ میں درد ہونے لگا، مارے ہنسی کے۔ "مجھے یقین نہیں آتا، تنویر! یقیناً تم مجھے بیوقوف بنا رہے ہو۔"

"خدا کی قسم جولی! اب میں زہر کھالوں گا۔"

"کیوں...؟" جولیا نے چونک کر پوچھا۔

"تمھارے بغیر زندگی ایک مسلسل آزار سے کم نہیں۔"

"اب تک تو تمھیں اس آزار کو برداشت کرنے کی عادت ہو گئی ہو گی۔"

"میں تمھیں کیسے سمجھاؤں کہ تمھارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔" تنویر جھلا گیا۔ "کیا تم چاہتی ہو کہ میں کسی روز دل گرفتہ ہو کر واقعی زہر پی لوں؟"

"زہر تو تم مسلسل استعمال کر رہے ہو اور اس قدر عادی ہو چکے ہو کہ اب ایک دو سیر سنکھیا کھائے بغیر مرو گے بھی نہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"یہی کہ تم آخر افیون کھانا کیوں ترک نہیں کر دیتے؟" جولیا نے کہا اور جلدی سے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔

"کون کہتا ہے کہ میں افیون کھاتا ہوں؟" تنویر غرّایا۔

"عمران..." جولیا نے مختصر سا جواب دیا۔

"میں اس کی گردن توڑ دوں گا۔ کب کہا تھا، اُس نے؟"

"کل رات ہی تذکرہ کر رہا تھا۔" جولیا نے ہنسی ضبط کرتے ہوئے جواب دیا۔

"اور تم نے اس احمق کی بات پر یقین کر لیا؟" تنویر مسلسل غرّا رہا تھا۔

"ظاہر ہے' اُسے بے سروپا اُڑانے کی کیا ضرورت ہے۔ میں نے سُنا ہے' وہ یہی اطلاع چیف کو بھی دینے جارہا ہے۔"

"آ... ہم..." تنویر کے حلق سے غراہٹ نکلی اور ساتھ ہی سلسلہ منقطع ہوگیا۔

جولیا نے ایک طویل سانس لے کر ریسیور رکھ دیا اور مسہری پر گر گئی۔ اگلے ہی لمحے اُس کے حلق سے قہقہوں کا طوفان اُبل پڑا۔ ہنستے ہنستے وہ مسہری پر ہی لوٹ پوٹ ہوگئی۔ آنکھوں میں پانی آگیا۔ ابھی ہنسی کا دورہ ختم نہیں ہوا تھا کہ فون کی گھنٹی دوبارہ سُنائی دی۔ وہ ہنستی ہوئی فون کی طرف بڑھی۔ ریسیور اُٹھایا اور بھرائی ہوئی آواز میں بولی

"یس' جولیا دس سائیڈ۔"

"ایکسٹو..." دوسری طرف پُراسرار چیف ہمیشہ کی طرح خشک اور جذبات سے عاری لہجے میں بول رہا تھا۔

جولیا کے جسم میں مستعدی کی لہر دوڑ گئی۔ "یس سر! بہت عرصے بعد آپ کی آواز سنی۔"

"ہوں... مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم تنویر سے شادی کرنا چاہتی ہو۔"

"وہاٹ...؟" جولیا کو سکتہ سا ہوگیا۔ "کس نے کہا' جناب؟"

"کیا یہ غلط ہے؟"

"یس سر... تنویر اب میرے لیے وبال بنتا جارہا ہے۔" جولیا یہ کہتے وقت لہجے کی تلخی پر قابو نہ رکھ سکی۔ وہ بھول گئی کہ ایکسٹو سے بات کررہی ہے۔ بس اس کی کھوپڑی بھک سے اُڑ گئی تھی۔

"بہرطور..." ایکسٹو کی خشک آواز سنائی دی۔ "میں چاہتا ہوں کہ تم تنویر سے شادی کرلو۔"

"جی..." حیرت سے جولیا کی آنکھیں اور منہ بیک وقت... پھٹ گئے۔

"ہاں' یہ میرا حکم ہے۔"

"ل... لیکن' جناب! یہ ناممکن ہے۔" جولیا حلق کے بل چیخی۔

"یعنی میرا حکم ماننا' تمہارے نزدیک' ناممکنات میں شامل ہے؟ کیا تم جانتی ہو' میرا عتاب کس قدر بھیانک ہوتا ہے؟" ایکسٹو کے لہجے میں خوفناک غراہٹ پیدا ہوگئی۔

جولیا کو اپنا کمرہ گھومتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ "کک... کیا آپ مذاق کررہے ہیں' جناب؟" وہ ہکلا کر بولی۔ اُس کے لہجے میں بے پناہ شکایت تھی۔

"کیا تم سمجھتی ہو کہ میں تم سے مذاق کروں گا؟" ایکسٹو کی ناقابلِ برداشت غراہٹ نے اُس کے جسم میں کپکپی سی پیدا کردی۔

"یہ ظلم ہے' جناب! سراسر زیادتی ہے۔" اُس نے احتجاج کیا۔

"میں اپنے احکامات کے جواب میں لیت و لعل پسند نہیں کرتا۔ کل شام' شادی کی تقریب میں' تم اُسے اپنے شوہر کی حیثیت سے قبول کروگی۔ کیا تمہیں اس سلسلے میں مزید کچھ کہنا ہے؟"

"جی ہاں... میں ابھی اور اسی وقت استعفا پیش کرنا چاہتی ہوں۔" جولیا نے کمال جرأت کا مظاہرہ کیا۔ اس سے پیشتر اُس نے ایکسٹو سے اس لہجے میں کبھی بات نہیں کی تھی لیکن ایکسٹو کے تازہ ترین احکامات نے اُس کے ذہن سے اپنا پُراسرار آسیب اُتار دیا تھا۔

"میں اسے مسترد کرتا ہوں اور اگر تم نے استعفا دینے کا خیال دوبارہ پیش کیا تو جو حشر کروں گا' اُسے تم عمر بھر یاد رکھو گی۔ کیا تم سُن رہی ہو؟" اس بار ایکسٹو کے لہجے میں نہ جانے کون سا تاثر تھا کہ جولیا سر سے پاؤں تک کانپ گئی۔

"لیکن' جناب..."

"جلدی کہو۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔"

"کیا مجھ سے کوئی ناقابلِ معافی خطا سرزد ہوگئی ہے' جس کی پاداش میں آپ مجھے تنویر کے پلّے باندھنا چاہتے ہیں۔"

"ہاں' تم اُس کا مسلسل مذاق اُڑاتی رہی ہو۔ میں کسی مرد کی توہین برداشت نہیں کرسکتا۔" ایکسٹو غرایا اور اُس کے ساتھ ہی لائن بے جان ہوگئی۔

ریسیور ابھی تک جولیا کے ہاتھ میں تھا۔ اُس کی آنکھوں میں آنسوؤں کا طوفان تھا' پورا جسم غصے اور نفرت کی آگ میں جل اُٹھا' چہرہ تمتما اُٹھا اور کنپٹیاں سُلگ سُلگ کر گویا چٹخنے لگیں... اُس نے پوری قوت سے ریسیور کو کریڈل پر پٹخا اور مسہری پر گر گئی۔ اگلے ہی لمحے وہ تکیے میں منہ چھپائے بلک بلک کر رو رہی تھی۔ اُسے کم از کم ایکسٹو سے اس قدر سنگدلی کی توقع نہیں تھی۔ اُسے یقین نہیں آرہا تھا کہ ایکسٹو' اُسے تنویر سے شادی کرنے کا حکم بھی دے سکتا ہے۔ اُس نے پہلے کبھی اپنے ماتحتوں کے ذاتی معاملات میں مداخلت نہیں کی تھی۔ آنسوؤں کا طوفان اُمڈ رہا تھا اور کمرہ اُس کی سسکیوں سے گونج رہا تھا۔



صفدر نے 'آؤجی تاؤجی روڈ' پر پہنچ کر ادھر اُدھر دیکھا۔ کچھ فاصلے پر ایک گنجا چلا جارہا تھا۔ اگلے ہی لمحے وہ اُس کی طرف لپکا۔ چٹاخ کی آواز سُنائی دی اور گنجا بوکھلا کر پلٹا۔ اُس نے قہر آلود نگاہوں سے صفدر کی طرف دیکھا جو دانت نکالے اُسے گھور رہا تھا۔ "کیا تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے؟" گنجا حلق کے بل چیخا۔

"ہائیں... تمہارا دماغ خراب ہے... ارے باپ رے..." صفدر نے ہکلا کر کہا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر گنجے کو دیکھنے لگا۔

اس پاس لوگوں کا ہجوم ہو گیا۔ لوگ اس بات پر قہقہے لگا رہے تھے کہ ایک پاگل نے کسی گنجے کی چاند سہلا دی ہے۔ گنجے کا مارے غصے کے برا حال تھا۔ اگر اس کی چندیا پر بال رہے ہوتے تو وہ ضرور انہیں نوچ ڈالتا لیکن اگر بال ہوتے تو یہ نوبت ہی کیوں آتی۔ ظاہر ہے، صفدر کا ہاتھ صرف گنجی کھوپڑیاں ہی سہلانے پر تلا ہوا تھا۔

"میں تمہارا خون پی جاؤں گا۔" گنجا مٹھیاں بھینچ کر صفدر کی طرف لپکا۔

صفدر نے ایک کلکاری ماری اور ٹھمکے لگانے لگا۔ اسے ناچتے دیکھ کر گنجا ایک جھٹکے سے رک گیا۔ شاید اسے احساس ہو گیا تھا کہ وہ ایک پاگل سے الجھنے جا رہا ہے۔

"خون مت پینا... خون مت پینا... رے پریتم... ارے، خون مت پینا، گلا پھٹ جائے گا... جائے گا... ہاں جی ہاں..."

لوگ بری طرح حلق پھاڑ رہے تھے لیکن صفدر ان کے ہنسنے سے لاپروا ناچ رہا تھا۔ ناچنے کے دوران جوتیوں کا ہار ادھر ادھر جھولنے لگا۔ چند لمحوں بعد گنجا بھی ہجوم کا ساتھ دیتے ہوئے ہنسنے لگا۔ صفدر نے متلاشی نگاہوں سے ہجوم کی طرف دیکھا۔ لوگ فٹ پاتھ پر اس کے گرد گھیرا ڈالے کھڑے تھے۔ نہ جانے صفدر کو کسی دوسرے گنجے کی تلاش تھی یا پھر وہ کسی ایسے آدمی کو تلاش کر رہا تھا جو اس میں معمول سے زیادہ دلچسپی لے رہا ہو۔ اور یہ بات یقینی تھی کہ وہ خود ایکسٹو ہی ہو گا لیکن وہاں تو ہر آدمی اسے دلچسپ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا... لوگ بار بار دل کھول کر قہقہے لگا رہے تھے۔

پانچ منٹ تک یہ ہنگامہ جاری رہا... اور پھر صفدر تیر کی طرح آگے بڑھا۔ سامنے کھڑے ہوئے آدمی ایک دوسرے پر گرتے پڑتے ہٹ گئے۔ صفدر کے لیے راستہ صاف تھا۔ وہ گھیرا توڑتے ہی آگے نکل گیا۔ کچھ آگے جا کر وہ سڑک کے درمیان کھڑا ہو گیا۔ چند ہی لمحوں بعد کئی گاڑیاں اس کے آگے پیچھے رک گئیں۔ صفدر تیزی سے ایک کار کی طرف بڑھا۔ کار کی عقبی نشست پر ایک ضعیف العمر شخص بیٹھا تھا۔ بال نام کی کوئی شے اس کے سر پر نہیں تھی۔ "جناب! ذرا ایک منٹ۔" اس نے باوردی ڈرائیور کو اشارہ کرتے ہوئے کہا اور پھرتی سے دروازہ کھولا تو عقبی نشست پر براجمان بوڑھے کے حلق سے ایک دلدوز چیخ نکل گئی۔ صفدر نے بڑی فیاضی سے اس کی کھوپڑی پر ہاتھ اٹھایا تھا۔

ڈرائیور نے پہلے تو بڑی حیرت سے صفدر اور بوڑھے کی طرف دیکھا پھر جلدی سے دروازہ کھول کر نیچے اتر آیا۔ اس سے قبل کہ اس کا ہاتھ، صفدر کے گریبان پر پڑتا، صفدر اچھل کر دور ہٹ گیا اور قریب سے گزرتے ہوئے ایک اسکوٹر کی پچھلی سیٹ پر جا بیٹھا۔ دھچکا لگنے سے اسکوٹر سوار کے ہاتھ سے ہینڈل چھوٹتے چھوٹتے بچا۔ اگر وہ جلدی سے ہینڈل پر گرفت مضبوط نہ کر لیتا تو یقیناً اسکوٹر پھسل کر سڑک پر گر جاتا یا پھر کسی گاڑی سے ٹکرا جاتا۔ بوکھلاہٹ میں اس نے اسکوٹر کو پوری رفتار سے آگے بڑھا دیا۔

صفدر سیٹ پر اٹھا بیٹھا تھا۔ وہ دانت نکالے کھڑے ڈرائیور کو ٹھینگا دکھاتا رہا اور اسکوٹر آگے بڑھتا رہا۔ کچھ آگے جا کر اسکوٹر رک گیا اور وہ شخص صفدر کی طرف دیکھ کر غرایا۔ "چلو، اتر جاؤ، شرافت سے... ورنہ بہت ماروں گا۔"

"ارے بھائی! کاش تم بھی گنجے ہوتے۔" صفدر نے ٹھنڈی آہ بھر کر کہا اور جوتوں کا ہار اتار کر اسکوٹر سوار کے گلے میں ڈال دیا۔ اس نے غرا کر اسے اتارا اور سڑک پر پھینک دیا۔ صفدر ہائے ہائے کرتا، ہار تک پہنچا اور اسے اٹھانے کے لیے جھکا ہی تھا کہ ایک تیز رفتار کار کے بریکوں کی آواز سن کر چونک پڑا۔ اس نے جوتوں کا ہار اٹھایا اور کسی طاقتور اسپرنگ کی طرح اچھلا۔ کار رکتے رکتے بھی عین اس جگہ پہنچی جہاں لمحہ بھر پہلے صفدر کھڑا تھا۔ اچھل کر صفدر واپس آیا تو کار کے بونٹ پر گرا۔ ہلکا سا دھماکا ہوا اور وہ وہیں آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ کار چلانے والا بھی نہلے پر دہلا نکلا۔ اس نے کار تیزی سے آگے بڑھا دی۔ کچھ دور جا کر اس نے گاڑی بائیں ہاتھ موڑ کر تیزی سے دائیں طرف لہرائی۔ صفدر توازن برقرار نہ رکھ سکا اور پھسلتا ہوا سڑک پر آ رہا۔ کار کی رفتار خاصی تیز تھی لیکن صفدر ہوشیار ہو چکا تھا۔ اس نے اپنے حواس پر قابو رکھا اور نیچے گرتے وقت کوشش کی کھوپڑی سڑک سے نہ ٹکرانے پائے۔ نتیجہ خاطر خواہ نکلا۔ وہ سڑک پر گرا اور پھرتی سے اٹھ بیٹھا پھر سڑک پر قلابازی لگا کر فٹ پاتھ پر پہنچا... اور جب اٹھنے کی کوشش کی تو اس کے دونوں ہاتھ کسی سخت چیز سے ٹکرا گئے۔ صفدر نے انہیں مضبوطی سے پکڑ لیا لیکن جب پلٹ کر دیکھا تو اس کے دیوتا کوچ کر گئے، وہ ایک پولیس مین کے قدموں میں پڑا تھا۔ بس پھر کیا تھا، اس نے پولیس مین کی ٹانگوں سے ہی لپٹ جانے میں عافیت سمجھی تھی ورنہ ایک آدھ ٹھوکر اس کے سینے پر ضرور پڑتی۔

سپاہی نے بڑی پھرتی سے اپنا پاؤں کھینچا تھا لیکن صفدر کی گرفت کمزور نہیں تھی۔ وہ سپاہی کی ٹانگوں سے لپٹ گیا اور بلک بلک کر رونے لگا۔

"کھڑے ہو جاؤ۔" سپاہی نے ٹانگیں چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے غرّا کر حکم دیا لیکن صفدر کے کان پر جوں تک نہیں رینگی... وہ مزید جوش و خروش سے زور آزمائی کرتا ہوا رہا۔ پولیس مین نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، اپنی بیلٹ اُتار لی۔ اُس نے بیلٹ کو کوڑے کی طرح لہرا کر صفدر کی پشت پر مارنے کی کوشش کی۔ صفدر بروقت چوکنا ہو گیا تھا ورنہ اُس کی کمر پر شدید چوٹ لگتی۔ اُس نے سپاہی کو بیلٹ کھینچتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ اُس نے بلا تکلف اُس کی دونوں ٹانگیں پوری قوت سے کھینچ لیں۔ سپاہی فٹ پاتھ پر گر گیا۔ صفدر اُسے چھوڑ کر فوراً ہی اُٹھ کھڑا ہوا۔ اُٹھتے ہی اُس نے پولیس مین کی طرف دیکھا، جس کی کیپ سر سے اُتر گئی تھی اور نیچے سے چمکتی ہوئی کھوپڑی دکھائی دے رہی تھی۔

'واہ ری قسمت!' صفدر نے دل ہی دل میں نعرہ لگایا اور پوری قوت سے اُس کی کھوپڑی پر ہاتھ جما دیا۔ سپاہی کی آنکھوں میں تارے ناچ گئے ہوں گے۔ صفدر نے اسی پر اکتفا نہیں کیا۔ سامنے ایک دُکان کے باہر ریت کا ڈھیر دکھائی دے رہا تھا۔ غالباً دُکان کی مرمت ہو رہی تھی۔ وہ لپک کر ریت کے ڈھیر پر پہنچا اور مٹھی بھر ریت لیے واپس سپاہی کے قریب آ گیا۔ وہ اُس کے آباؤ اجداد کی شان میں کچھ ایسے جملے اُگل رہا تھا، جنھیں سُن کر صفدر کی رُوح تک کانپ گئی۔ اُس نے سپاہی کی چاند پر مکرر طبع آزمائی کی پھر ریت والی مٹھی اُس کے منہ پر کھینچ ماری۔ ریت سپاہی کی آنکھوں میں پڑی... تو وہ مارے تکلیف کے اور پاگل سا ہو گیا۔ اب وہاں رُکنا خطرناک تھا۔ صفدر نے دائیں بائیں دیکھا اور اُس کی نگاہ ایک شخص پر جم کر رہ گئی۔ اُس کے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔ صفدر نے جہاں کہیں بھی رُک کر سوانگ رچایا تھا، یہ شخص وہاں ضرور دکھائی دیا تھا۔

"تعاقب..." صفدر کے ذہن میں خیال آیا۔ اگلے ہی لمحے وہ، اُس شخص کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ اس آدمی کا حلیہ انتہائی بھیانک تھا۔ آنکھوں میں سُرخی اور پتلیوں میں خوفناک چمک تھی۔ جبڑے بھاری اور دائیں طرف کا بالائی دانت، نچلے ہونٹ پر دھرا دکھائی دیتا تھا۔ اُس کی رنگت تانبے جیسی تھی۔ صفدر کو اپنی طرف متوجہ پا کر وہ، اُسے بُری طرح گھورنے لگا۔ اُس کے چہرے کی بے حسی دیکھ کر، صفدر کو فوراً ہی اندازہ ہو گیا کہ وہ میک اَپ میں ہے۔ اُسے محسوس ہوا کہ ایکسٹو نے بلاوجہ ہی اُسے پاگل پن کا ڈھونگ رچانے کا حکم نہیں دیا تھا لیکن اُسے ان حالات میں کیا کرنا ہے، اس معاملے میں وہ اندھیرے میں تھا۔ ایکسٹو نے کسی قسم کی نشاندہی نہیں کی تھی...

"وزیرِ اعظم..." صفدر کے حلق سے گرجتی ہوئی آواز نکلی۔

"شٹ اَپ!" وہ شخص جواباً گرج پڑا۔

"ہائیں... انگریزی بھی بول لیتے ہو۔ خبردار، اگر غیر ملکی زبان بول کر، میری رعایا کے جذبات کو مجروح کرنے کی کوشش کی۔ جاؤ، شاہی حجام کو بُلا کر لاؤ۔ ہم ابھی اور اسی وقت تمھیں گنجا کروا کے، بیس چپتیں مارنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔"

صفدر شاہی احکامات دے کر فارغ ہوا ہی تھا کہ پولیس مین دندناتا ہوا وہاں پہنچ گیا۔ صفدر پوری طرح اس بھیانک صورت والے آدمی کی طرف متوجہ تھا، اس لیے سپاہی کو نہ دیکھ سکا لیکن سپاہی سے بڑی فاش غلطی سرزد ہوئی۔ اُس نے قریب پہنچتے ہی صفدر کی پیٹھ پر ایک زوردار ٹھوکر جمائی۔ صفدر غرّا کر پلٹا۔ اس سے قبل کہ سپاہی کا گھونسا اُس کے پیٹ میں پڑتا، صفدر نے پھرتی سے اُس کے دونوں بازو پکڑ لیے۔ سپاہی نے پوری قوت سے جھٹکا مارا۔ بازو تو خیر کیا چھوٹتے وہ کچھ اور ہی اُلجھ گیا۔ صفدر نے اُس کے دونوں بازو مروڑ دیے۔ سپاہی گھوم گیا۔ صفدر نے ایک ہاتھ سے اُس کی کیپ اُٹھائی... اور دوسرے ہاتھ سے ایک چپت، پوری قوت سے اُس کی کھوپڑی پر رسید کر دی۔

سپاہی بلبلا اُٹھا۔ وہ زخمی بھیڑیے کی طرح پلٹا لیکن صفدر وہاں کہاں تھا۔

وہ تیزی سے پیچھے ہٹا تھا۔

عقب میں وہ خوفناک شکل والا آدمی کھڑا تھا۔ صفدر اُس سے جا ٹکرایا... اور پھر اُسے لطف آ گیا۔ ایسا جچا تُلا ہاتھ پڑا تھا کہ چودہ طبق روشن ہو گئے لیکن وہ وہاں رُکا نہیں بلکہ سامنے کھڑے سپاہی سے ٹکراتا ہوا تیزی سے بھاگ نکلا لیکن اب اُس کے ستارے گردش میں آ چکے تھے۔ پولیس مین نے اپنی ٹانگ آگے کر دی تھی۔ صفدر اُس کی ٹانگ سے اُلجھ کر گر گیا۔ سپاہی دوبار اُس کے ہاتھوں زک اُٹھا چکا تھا اور اب بالکل ہی دیوانہ ہو رہا تھا۔ اُس نے لپک کر صفدر کو چھاپ لیا۔

"آزادیٔ نسواں کا نقیب ہوں، سرکاری ملازموں کا رقیب ہوں اور نام کا مجیب ہوں۔" صفدر نے گلا پھاڑ پھاڑ کر گانا شروع کر دیا۔

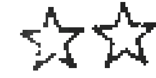
"ابھی تمھاری رقابت نکالتا ہوں۔" سپاہی نے اُسے پوری طرح جکڑتے ہوئے کہا۔ "ذرا اِس کو باندھنے میں میری مدد کریں..." پولیس مین نے قریب کھڑے آدمیوں سے استدعا کی۔

"جانے دیجیے، صاحب! پاگل ہے۔" کوئی ہنس کر بولا۔

"پاگلوں کا اس طرح بے مہار گھومنا خطرناک بھی ہو سکتا ہے۔ اس کے لیے مناسب ترین جگہ پاگل خانہ ہی ہے۔"

"ٹھیک ہے، پہنچاؤ اس کو۔" ایک لحیم شحیم آدمی نے آگے بڑھ کر صفدر کی کمر تھام لی۔ صفدر نے مچلنے کی کوشش کی لیکن اس شخص کی گرفت ناقابلِ تسخیر تھی۔ وہ کسی بھینسے کی طرح طاقت ور تھا۔ سپاہی کسی رسّی کی تلاش میں، برابر کی دُکان میں گھس گیا۔ صفدر اس بھینسے سے اُلجھا لیکن گلوخلاصی کی کوئی صورت نہ پا کر پھرتی سے جوتوں کا ہار، اس شخص کے گلے میں ڈال دیا۔ لحیم شحیم شخص بوکھلا گیا۔ لوگ گلا پھاڑ پھاڑ کر ہنس رہے تھے۔ اتنے میں سپاہی بھی واپس آگیا۔

صفدر نے فرار ہونا چاہا لیکن سپاہی کی درخواست پر کئی آدمی اس پر ٹوٹ پڑے۔ چند ہی منٹ میں صفدر، رسیّوں سے جکڑا ہوا، فٹ پاتھ پر پڑا تھا۔ اس نے قریب کھڑے ہوئے لوگوں کا جائزہ لیا لیکن وہ بھیانک چہرے والا شخص کہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا... سپاہی نے ایک ٹیکسی روکی اور ڈرائیور کو پاگل خانے چلنے کی ہدایت کی۔ ٹیکسی ایک جھٹکے سے آگے بڑھ گئی۔



"صاحب... صاحب! اُٹھیے، بارہ بج رہے ہیں۔" سلیمان نے عمران کو بُری طرح جھنجوڑ ڈالا۔

"ہائیں... بارہ بج رہے ہیں۔" عمران بوکھلا کر اپنا چہرہ ٹٹولنے لگا۔ پھر مسہری پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا اور بڑبڑایا۔ "نہیں، ابھی پندرہ منٹ باقی ہیں۔"

"صاحب! آپ دیر تک سوتے رہنے کی عادت ترک کر دیں ورنہ..."

"ورنہ کیا؟ ابے ہوش میں رہ، ہوش میں۔" عمران دہاڑا۔

"ورنہ میں بھی دیر سے سو کر اُٹھوں گا۔"

"اوہ..." عمران نے سر کھجایا... پھر بڑے فراخدلانہ انداز میں بولا۔ "تجھے اجازت ہے، جب تک جی چاہے، سوتا رہا کر۔ اگر ممکن ہو تو ابھی سو جا۔ روزِ قیامت، فرشتے خود ہی اُٹھا دیں گے۔ چل دفعان ہو جا اور چائے بنا کر لا۔"

"ناممکن... اس وقت چائے کا نام لیا تو میں آپ کی خودکشی کر لوں گا۔"

"ہائیں... میری خودکشی۔" عمران نے دیدے نچائے۔

"جی ہاں، لوگ تو اپنی خودکشی کرتے ہیں لیکن میں آپ کی خودکشی کروں گا۔"

"ابے، خودکشی، خود کو مارنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اسی لیے کہتا ہوں، پڑوس کی باورچن کی طرف متوجہ نہ رہا کر۔ دماغ کے سارے اسکرو ڈھیلے پڑتے جا رہے ہیں۔ جا چائے لا۔"

"میں کہہ چکا ہوں، دیر سے اُٹھیں گے تو ناشتہ نہیں ملے گا۔"

"پھر میں کیا کروں، پیارے؟" عمران نے کراہ کر مشورہ طلب کیا۔

"ایک گھنٹے بعد کھانا مل جائے گا۔ اب دوپہر کا کھانا تیار ہو رہا ہے۔"

"ارے واہ۔ تجھے تو کسی کی زوجہ ہونا چاہیے تھا۔ واہ! کیا ترکیب نکالی ہے۔ اس طرح کافی بچت ہو جایا کرے گی، کیوں؟" عمران اُچھل کر بولا۔

"بچت کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" سلیمان نے مُنہ بنا کر جواب دیا۔

"کیوں...؟ کیا تو ریلوے کی انتظامیہ میں شامل ہو گیا ہے؟"

"نہیں... بلکہ میں آپ کے حصّے کا ناشتہ بھی کر چکا ہوں..." سلیمان نے بے نیازی سے کہا اور باورچی خانے کی طرف چل دیا... عمران کود کر مسہری سے اُتر آیا۔ اس نے سلیمان کو بازوؤں میں جکڑ لیا اور بُری طرح جھنجوڑنے لگا۔

اچانک سلیمان حلق پھاڑنے لگا۔ عمران نے بوکھلا کر اُسے چھوڑ دیا اور حیرت سے اس کا جائزہ لینے لگا۔ سلیمان اب بھی حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخ رہا تھا۔ "ابے، خاموش ہو جا۔" عمران دہاڑا۔

سلیمان خاموش ہو گیا اور پھر بسورتا ہوا کچن کی طرف بڑھ گیا۔ عمران نے ایک طویل انگڑائی لی اور دیوار گیر کلاک کی طرف دیکھا جس میں بارہ بج رہے تھے۔ بیکاری کے ان دنوں میں ہر چیز پر بارہ ہی بج رہے تھے۔ رات بھر نہ جانے کہاں کہاں مارا مارا پھرتا رہا تھا، اس لیے دوپہر تک سوتے رہنا ناگزیر تھا۔ وہ دبے پاؤں باورچی خانے کی طرف بڑھا پھر دروازے کی اوٹ میں رُک کر اندر جھانکا تو حیرت سے اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ سلیمان ناشتے کی ٹرے سامنے رکھے، جلدی جلدی ٹوسٹ اور انڈے حلق میں ٹھونس رہا تھا۔ قریب ہی چائے کی پیالی رکھی ہوئی تھی، جس سے بھاپ اُٹھ رہی تھی۔ بڑے بڑے نوالے نگلنے کی وجہ سے کبھی کبھی پھانس پڑ جاتی تو سلیمان ایک آدھ گھونٹ چائے کا بھر لیتا تھا۔

عمران دبے پاؤں کچن میں داخل ہوا اور سلیمان کے عقب میں جا کھڑا ہوا۔ پلیٹ میں ابھی دو انڈے رکھے ہوئے تھے اور سلیمان آنکھیں بند کیے مُنہ میں رکھا بڑا سا نوالا نگلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ عمران نے چپکے سے ہاتھ بڑھایا اور دونوں انڈے اُٹھا لیے۔ سلیمان بدستور آنکھیں بند کیے مُنہ چلاتا رہا۔

عمران خاموشی سے باہر نکل آیا۔ کچن میں آمد و رفت اتنے

پُرسکون انداز میں ہوئی تھی کہ سلیمان کے فرشتوں کو بھی خبر نہ ہوئی... باہر نکل کر عمران تیزی سے باتھ روم کی طرف بڑھا۔ اندر گھس کر اس نے بالٹی نل کے نیچے رکھ دی۔ پانی کھولا تو باتھ روم پانی کی تیز دھار گرنے کی آواز سے گونج اُٹھا۔ عمران جلدی سے باہر نکل آیا۔

باتھ روم کا دروازہ اچھی طرح بند کر کے وہ دبے قدموں کچن کی طرف بڑھا۔ دروازے کی اوٹ سے جھانکا تو سلیمان کو آنکھیں بند کیے بدستور منہ چلاتے دیکھا۔ چند لمحے وہ لقمہ چبانے میں مصروف رہا پھر اس کا ہاتھ اندازے ہی سے اس طرف بڑھا، جہاں انڈوں کی پلیٹ رکھی تھی۔ اگلے ہی لمحے وہ بری طرح چونک کر دائیں بائیں دیکھ رہا تھا۔ عمران پھرتی سے کچن کے پہلو میں بنے ہوئے اسٹور میں جا گھسا۔ دروازہ بند کر کے اس نے عمارت کے عقبی جانب کھلنے والی کھڑکی بھی بند کر دی۔ اسٹور میں اندھیرا ہو گیا۔ عمران دوبارہ دروازے کے قریب پہنچ گیا۔ دروازے کے شیشے سے جھانک کر باہر دیکھا تو سلیمان دبے قدموں بیڈ روم کی طرف بڑھتا دکھائی دیا۔ جیسے ہی وہ بیڈ روم کے دروازے سے اندر گھسا، عمران نے اسٹور کا دروازہ کھولا اور آندھی طوفان کی طرح کچن میں جا پہنچا۔ ہاتھ میں دبے، ابلے ہوئے انڈے، اس نے پلیٹ میں رکھ دیے۔ چائے کا ایک کپ لبالب بھرا رکھا تھا، قریب ہی دوسرا آدھا کپ موجود تھا۔ گویا سلیمان نے دو کپ تیار کیے تھے۔ عمران نے ناشتے کی ٹرے میں رکھے، تین ٹوسٹ اور دونوں انڈے یوں چٹ کر لیے، جیسے برسوں سے بھوکا رہا ہو۔ چائے کا کپ جلدی... جلدی حلق میں انڈیل کر، وہ کچن کے دروازے کے قریب آ کھڑا ہوا۔ جھانک کر دیکھا تو سلیمان باتھ روم کے سامنے کھڑا تھا چونکہ عمران نے دروازہ باہر سے بند نہیں کیا تھا، اس لیے دروازے میں ہلکی سی جھری پیدا ہو گئی تھی۔ عمران اچھل کر کچن سے نکلا اور سلیمان کی گردن ناپ لی۔ "کیوں بے! یہ کیا حرکت ہے؟ اندر کیوں جھانک رہا تھا؟"

"مم... میں... مگر آپ تو باہر ہیں، پھر میرے جھانکنے یا نہ جھانکنے سے کیا فرق پڑتا ہے۔" سلیمان اس اچانک افتاد سے بوکھلا گیا۔

"ابے! میں خوب سمجھتا ہوں۔ اسی لیے بار بار مجھے شادی کرنے کے لیے اُکساتا رہتا ہے۔" عمران دہاڑا۔

"نن... نہیں، صاحب! خدا کی قسم، نہیں... ایسا ہی تک جھانک کا شوق رہا ہوتا تو پڑوس میں کیا کم گھرانے آباد ہیں۔"

"ہائیں... تو کیا دوسرے گھروں میں بھی جھانکا کرتا ہے...؟"

عمران نے غصے سے لال پیلا ہوتے ہوئے کہا۔

"توبہ کریں، صاحب! توبہ کریں۔" سلیمان منہ پیٹنے لگا۔

"کیا... ابے، جھانکتا تو ہے اور توبہ میں کروں؟" عمران نے اس کا کان پکڑ کر پوری قوت سے مروڑ دیا۔

سلیمان کے حلق سے ایک بھیانک چیخ نکل گئی۔

"نہیں چھوڑوں گا۔ بتا، اب تک کتنے گھروں میں جھانک چکا ہے؟"

"بب... بتاتا ہوں... بتاتا ہوں، صاحب! کان تو چھوڑیے۔"

"ابے، کیا تو کان سے بولے گا؟"

"صاحب..." سلیمان کے لہجے میں بے پناہ پیار تھا۔

"کک... کیا ہے؟" عمران بوکھلا کر بولا۔ "دیکھ ڈورے مت ڈالیو، ورنہ بہت ماروں گا۔ بول کیا بات ہے؟"

"مم... میرے کان پر جوں رینگ رہی ہے۔"

عمران نے گھبرا کر کان چھوڑ دیا لیکن دوسرا ہاتھ مسلسل اس کی گردن پر رہا۔ اس نے جھک کر سلیمان کے کان کا معائنہ کیا اور غرایا... "جھوٹ بولتے ہوئے شرم نہیں آتی۔ کہاں ہے جوں؟"

"مم... میں نے تو محاورے والی جوں کا حوالہ دیا تھا، صاحب!" سلیمان نے ایک جھٹکے سے گردن چھڑائی اور تیر کی طرح کچن میں جا گھسا۔

عمران نے اس کے پیچھے لپکنے کا ارادہ کیا لیکن کال بیل کی تیز آواز نے اسے چونکا دیا۔ وہ دروازے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ دروازہ کھولا تو سامنے جولیا کھڑی تھی۔ عمران اسے دیکھتے ہی بری طرح چونک پڑا۔

جولیا کے جسم پر سلوٹ آمیز لباس تھا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا، جیسے وہ رات انہی کپڑوں میں سوئی تھی اور گھر سے نکلتے وقت اس نے انھیں بدلنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ اس کے بال الجھے ہوئے تھے اور آنکھیں سرخ تھیں، پپوٹوں پر ہلکی سی سوجن بھی تھی۔ گویا وہ دیر تک روتی رہی تھی۔

عمران نے اس کی آنکھوں میں تیرتے ہوئے آنسوؤں کو محسوس کیا تو اسے جولیا کی حالت دیکھ کر حیرت ہوئی۔ جولیا بہت ہی نفاست پسند تھی اور اس جیسی عورت سے کسی بھی طرح یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ شب خوابی کے لباس میں گھر سے نکل سکتی ہے۔ "مم... معاف کیجیے۔ آپ شاید درست جگہ آ گئی ہیں۔" عمران نے بوکھلا کر کہا۔

وہ ابھی تک دروازے ہی میں کھڑا تھا۔

جولیا کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔ گویا ضبط کا دامن ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔ وہ بلک بلک کر رونے لگی۔ عمران کی کھوپڑی ناچ گئی۔ اس نے جلدی سے اسے اندر کھینچ لیا... پھر دروازہ بند کر کے وہ

اُسے سٹنگ میں لے آیا۔ جولیا کی آنکھوں سے آنسوؤں کے دھارے بہہ رہے تھے۔ آنکھوں کے نیچے سیاہ رنگ کے حلقے اُس کی دل گرفتگی کے مظہر تھے۔ "بتاؤ... بتاؤ کس نے تمھیں مارا ہے۔ میں اس کے ہاتھ پاؤں چُوم... مم... میرا مطلب ہے، ہاتھ پاؤں توڑ دوں گا۔" عمران کے نتھنے پھُولنے اور پچکنے لگے۔

"عمران..." جولیا کے حلق سے اُس کا نام بھی کسی کراہ ہی کی طرح نکلا تھا۔

"ہاں، ایم۔ ایس۔ سی۔ پی۔ ایچ۔ ڈی آکسن۔" عمران کورنش بجا لایا۔

"میں زہر کھا لوں گی، عمران!" جولیا بلک کر بولی۔

"کک... کس نے تشخیص کیا ہے؟"

"ایکسٹو نے... اُس نے میری زندگی تلخ کر دی ہے... وہ میری جان لینا چاہتا ہے لیکن میں اُس کی یہ خواہش کبھی پوری نہیں ہونے دوں گی۔"

"شاباش، مجھے تم سے یہی اُمید تھی۔" عمران اُچھل کر بولا۔

"اُس میں آخر رکھا ہی کیا ہے۔ اچھا کیا، تم میرے پاس چلی آئیں۔" وہ خوشی سے ہاتھ ملنے لگا۔

"وہ چاہتا ہے کہ میں تنویر سے شادی کر لوں۔" جولیا چیخ پڑی۔

"کون چاہتا ہے؟" عمران دہاڑا۔

"ایکسٹو..."

"ہائیں... لیکن درخواست تو میں نے اپنے لیے کی تھی۔"

"پلیز، عمران! میری مدد کرو۔ ورنہ واقعی زہر کھا لوں گی۔"

"کک... کیسی مدد؟ کیا جہیز وغیرہ...؟" عمران واقعی بوکھلا گیا تھا۔ جولیا کی حالت سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہی ہے... پھر ایسے مذاق کی خود اُس سے توقع ہی عبث تھی۔ وہ جولیا کا مضحکہ اُڑا رہا تھا لیکن دل ہی دل میں حالات پر غور بھی کر رہا تھا۔

اُدھر عمران کے مذاق نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ جولیا مزید زور و شور سے رونے لگی۔

دفعتاً عقب میں آہٹ سی ہوئی۔ عمران نے پلٹ کر دیکھا تو سلیمان دروازے میں کھڑا، اُن کی طرف دیکھ رہا تھا۔ عمران سے نگاہیں چار ہوتے ہی وہ مُسکرا دیا۔ عمران کی بھویں تن گئیں۔ سلیمان مُنہ میں جھاڑن ٹھونس کر واپس بھاگ گیا۔

"خ... خُدا کے لیے جولیا چُپ ہو جاؤ۔ یہ گدھا سلیمان سمجھ رہا ہے کہ میں نے تمھیں چھیڑا ہے۔" عمران نے کہا اور جولیا کے سامنے ہاتھ جوڑ کر بُری طرح کانپنے لگا۔

"یقین مانو، عمران! میں تم سے مذاق نہیں کر رہی ہوں۔"

"پھ پھ... پھر... پھر یہ سب کیا ہے؟ تم میرے رقیب بلا نفید سے شادی کرنے جا رہی ہو۔" عمران نے آنکھیں نکالیں۔

"آخر تم سمجھتے کیوں نہیں؟" جولیا چیخی۔

"آخر تم سمجھاتی کیوں نہیں؟" عمران بھی جواباً اسی والیوم میں چیخا۔

"ایکسٹو نے حکم دیا ہے کہ کل میں تنویر سے شادی کر لوں، ورنہ عتاب کے لیے خود کو تیار رکھوں۔ وہ دیوانہ ہو گیا ہے، عمران... اُسے سمجھاؤ، میں تمھارے ہاتھ جوڑتی ہوں۔"

"دد... داخل کروا دوں گا جا کر۔" عمران اُچھل کر کھڑا ہو گیا۔

اُس نے ایک نظر جولیا کی طرف دیکھا اور پھر اُس کے چہرے پر سنجیدگی کے آثار اُبھرنے لگے۔ چند لمحوں بعد وہ پُرتشویش نظروں سے جولیا کو گھُور رہا تھا۔

جولیا نے اُسے سنجیدہ دیکھا تو قدرے پُرسکون ہو گئی اور وہ اُسے ایکسٹو کی گفتگو سُنانے لگی۔ اس دوران میں عمران سنجیدگی سے اُس کی طرف متوجّہ رہا۔ جولیا نے اپنی بات ختم کی تو وہ گہری سوچ میں ڈُوب گیا۔ اُس کے ذہن میں آتش فشاں سا پھٹ پڑا تھا۔

"میں جا رہی ہُوں، عمران! اگر آج رات آٹھ بجے تک ایکسٹو نے اپنا حکم واپس نہ لیا تو اُسے میری لاش ہی ملے گی۔" یہ کہہ کر وہ اُٹھی اور تیز تیز چلتی ہُوئی دروازے سے نکل گئی۔ عمران سوچ کی گہرائیوں میں غوطہ زن، اُسے جاتے ہُوئے دیکھتا رہ گیا۔



خاور نے موٹر سائیکل فٹ پاتھ سے لگا کر اسٹینڈ پر کھڑی کر دی۔ ایک غیر مُلکی دوست، دو ہفتوں سے اُس کے پاس مقیم تھا۔ اس لیے یہ دن خوب مصروفیت میں گزرے۔ ایکسٹو سے پندرہ دن کی رُخصت، بلا کسی عذر کے مل گئی تھی۔ ظاہر ہے، ان دنوں سیکرٹ سروس کے ہاتھ میں کوئی کام نہیں تھا۔ اس لیے ایکسٹو کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ خاور کا وہ غیر مُلکی دوست، دس بجے کی فلائٹ سے واپس چلا گیا تھا۔ وہ اُسے ائیرپورٹ پر الوداع کہہ کر واپس آ رہا تھا کہ اُس کی نگاہ ایک ہجوم پر پڑی۔ لوگ دائرہ بنا کر ایک پاگل کی حرکات سے محظوظ ہو رہے تھے۔ یُوں تو آئے دن، پاگلوں کے گرد ہجوم دکھائی دیتا ہی رہتا تھا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ خاور کو ان پاگلوں سے کوئی دلچسپی تھی۔ بس یہ اتفاق ہی تھا کہ اُس کی نگاہ صفدر پر پڑ گئی تھی۔

اُس کا چونکنا بھی بجا تھا۔ آخر صفدر بیٹھے بٹھائے، گریبان

چارے سڑکوں پر کیوں نکل کھڑا ہوا؟ بات اگر عمران کی ہوتی تو سمجھ میں بھی آجاتی کہ قلندر موج میں ہے... پھر خاور کی معلومات کے مطابق ان دنوں سبھی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے تھے۔ ایسے میں صفدر کا پاگل پن اُلجھن میں ڈال رہا تھا اور سب سے زیادہ چونکا دینے والی بات یہ تھی کہ صفدر میک اپ میں بھی نہیں تھا۔

خاور ہجوم کی طرف بڑھتے وقت، دو ایک بار مصنوعی چھینکوں کا مظاہرہ کر چکا تھا۔ اس دوران میں دو اسپرنگ اُس کے نتھنوں میں پہنچ گئے۔ نتھنے قدرے پھیلے پھیلے سے دکھائی دینے لگے اور ناک کا اُبھار نمایاں ہو گیا۔ میک اپ اس نے یُوں بھی ضروری سمجھا... کہ ممکن ہے، کوئی چکر شروع ہو گیا ہو، ایسے میں اُس کا صفدر کے قریب جانا ایکسٹو کے عتاب کو دعوت دے سکتا تھا۔ ایکسٹو کے عتاب کا خیال آتے ہی خاور کا ہاتھ جیب میں رینگ گیا تھا۔ فوری طور پر صورت میں تبدیلی رُونما کرنے کے لیے، سیکرٹ سروس کے ہر ممبر کی جیب میں کچھ نہ کچھ پڑا ہی رہتا تھا۔ لوگوں کو اِدھر اُدھر دھکیل کر خاور آگے جا کھڑا ہوا۔ اُس کی نگاہیں صفدر پر جمی ہوئی تھیں... وہ دل ہی دل میں صفدر کی بے داغ اداکاری کو سراہنے لگا۔ صفدر اس وقت واقعی مخبوط الحواس دکھائی دے رہا تھا۔ اُس کی ایک ایک حرکت اتنی بے ساختہ تھی کہ کسی کو بھی اس پر نقلی پاگل کا گمان نہیں ہو سکتا تھا۔

وہ صفدر کی طرف دیکھتا رہا۔ دو ایک بار اُن کی نگاہیں بھی ملیں لیکن صفدر کی آنکھوں میں شناسائی کی جھلک نہ دیکھ کر وہ ہجوم کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اب اُسے کسی ایسے شخص کی تلاش تھی جو صفدر میں دلچسپی لے رہا ہو۔ وہ متلاشی نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھتا رہا۔ اتنے میں صفدر گھیرا توڑ کر آگے بڑھ گیا۔ خاور اس کے تعاقب میں چل پڑا... لگ بھگ ایک فرلانگ چلنے کے بعد خاور تیزی سے واپس آیا اُس نے موٹر سائیکل اسٹارٹ کی اور اس جگہ سے کچھ فاصلے پر روک دی، جہاں صفدر ایک پولیس مین سے اُلجھا ہوا تھا۔

سپاہی سے اُلجھنے کے بعد صفدر نے جب اُس کی کھوپڑی سہلائی تو خاور نے بمشکل ہنسی روکنے کی کوشش کی۔ اس سلسلے میں وہ اپنی بائیں بغل کی طرف منہ کر کے کھانسنے لگا تھا... کھانسنے کے بعد اُس کی نگاہ ایک بدصورت آدمی پر پڑی۔ خاور بُری طرح چونک پڑا۔ مجمعے کا ہر شخص صفدر کی حرکات پر ہنس رہا تھا یا اُس پر فقرے اچھال رہا تھا لیکن وہ کریہہ الشکل آدمی اُسے گھور رہا تھا۔ خاور کے ذہن میں خطرے کی گھنٹی بجنے لگی۔ اُسے یقین ہو گیا کہ چکر چل پڑا ہے۔ یہ سوچ کر، اس نے اطمینان کی سانس لی کہ چلو، کوئی مصروفیت تو نکلی... اُس نے فیصلہ کر لیا کہ اس شخص کو ضرور چیک کرے گا۔

کچھ دیر بعد پولیس مین، صفدر کو ٹیکسی میں بٹھا کر پاگل خانے لے گیا تو خاور نے اس بھیانک صورت والے آدمی کو دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر پُر اسرار مسکراہٹ اور آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی۔ صفدر کے جانے کے بعد وہ بھیڑ سے الگ ہو کر چلنے لگا۔ خاور نے مناسب فاصلے سے اُس کا تعاقب شروع کر دیا۔ وہ شخص بڑے مطمئن انداز میں آگے بڑھ رہا تھا۔ انداز سے پتہ چلتا تھا کہ اُسے تعاقب کی توقع نہیں ورنہ ایک آدھ مرتبہ تو ضرور پلٹ کر دیکھ لیتا۔

خاور جیسے ہی اپنی موٹر سائیکل کے قریب سے گزرنے لگا، اُسے فوراً ہی خیال آگیا کہ تعاقب میں موٹر سائیکل کی ضرورت پیش آسکتی ہے۔ امکان تھا کہ وہ شخص آگے جا کر کسی ٹیکسی میں سوار ہو جاتا۔ ایسے میں واپس آکر موٹر سائیکل لے جانا، اُسے کھو دینے کے مترادف تھا... خاور نے موٹر سائیکل اسٹارٹ کی اور دھیرے دھیرے آگے بڑھنے لگا۔ وہ شخص اسی لاپروائی سے آگے بڑھ رہا تھا۔ خاور نے رینگتی ہوئی رفتار سے اس کا تعاقب جاری رکھا۔

اچانک وہ پُراسرار شخص، فٹ پاتھ پر رُک کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا پھر خاور نے اُسے اپنی جیبیں ٹٹولتے پایا... پھر اس شخص نے جیب سے ایک نوٹ بک نکال کر، ایک ورق پھاڑا۔ ورق پر کچھ لکھ کر، گولی سی بنائی اور اُسے مٹھی میں پکڑ لیا۔ ڈائری واپس جیب میں رکھ لی۔ پھر کاغذ کی گولی بھی اس نے کوٹ کی دائیں جیب میں ڈال لی۔

خاور سمجھ گیا کہ اس شخص نے کسی کے لیے کوئی پیغام لکھا ہے۔ لیکن خاور کو کوئی ایسا آدمی دکھائی نہیں دیا جس کا تعلق اس پُر اسرار شخص سے معلوم ہوتا۔

وہ شخص اب مطمئن انداز میں فٹ پاتھ پر دوبارہ آگے بڑھتا دکھائی دے رہا تھا۔ کچھ آگے جا کر خاور نے موٹر سائیکل روکی اور فٹ پاتھ سے لگا کر کھڑی کر دی۔ نیچے اُتر کر وہ دائیں طرف دُکانوں کو دیکھتا ہوا آگے بڑھا اور تھوڑی دُور جا کر پھر واپس مُڑا۔ اس کے انداز میں لاپروائی تھی اور ہونٹوں پر ایک مقبول فلمی گانے کے بول، جنہیں وہ مدھم سروں میں گنگناتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ مخالف سمت سے وہی پُراسرار شخص آتا دکھائی دے رہا تھا۔ خاور اس کے قریب سے گزرا اور آگے نکلتا چلا گیا۔ اس کا ہاتھ اتنی پھرتی سے اُس شخص کے کوٹ کی دائیں جیب میں جا کر واپس آیا کہ خود خاور کو حیرت ہونے لگی۔ اس نے غیر محسوس طریقے سے وہ گولی نکال کر اپنی جیب میں ڈال لی تھی۔ کندھے کے اُوپر سے خاور نے عقب میں دیکھا... وہ شخص بے نیازی سے چلتا ہوا، چوراہے کے قریب جا کھڑا ہوا تھا۔ گویا اُسے

احساس نہیں ہوا کہ اس کی جیب سے کاغذ کی گولی نکل چکی ہے۔

خاور تیزی سے چلتا ہوا موٹر سائیکل تک پہنچا... پُراسرار شخص ایک ٹیکسی روک رہا تھا۔ خاور نے موٹر سائیکل اسٹارٹ کر کے ٹیکسی کے تعاقب میں ڈال دی۔

ٹیکسی بیڈن روڈ کے چوراہے سے ٹرنک روڈ پر آگئی۔ ٹرنک روڈ کے آخری چوراہے کے قریب وہ پُراسرار شخص ٹیکسی سے اتر آیا۔ خاور نے موٹر سائیکل کافی فاصلے پر روک دی۔ کریہہ الشکل شخص، ہوٹل شیراز میں گھس گیا۔ ہوٹل کی پارکنگ میں موٹر سائیکل چھوڑ کر، خاور بھی ہوٹل میں داخل ہو گیا۔ کاؤنٹر کے قریب رک کر، اس نے ہال میں طائرانہ نگاہ دوڑائی لیکن وہ شخص وہاں موجود نہیں تھا۔ خاور کا دل دھک سے رہ گیا۔ وہ شخص اسے ڈاج دینے میں کامیاب ہو گیا تھا لیکن اس شبے کو یقین میں بدلنے کے لیے خاور، کاؤنٹر کلرک کی طرف بڑھا...

"سنیے، ابھی آپ نے ایک کریہہ الشکل شخص کو اندر آتے دیکھا ہوگا؟"

"جی ہاں، وہی نا، جس کا ایک دانت، نچلے ہونٹ پر دھرا دکھائی دیتا ہے؟" کاؤنٹر کلرک نے مؤدب لہجے میں دریافت کیا اور خاور کے اثبات میں سر ہلانے پر بولا۔ "جی ہاں، ابھی کچھ دیر قبل اندر آئے تھے۔"

"ہال میں تو دکھائی نہیں دیتا۔" خاور نے پھر ہال میں نظر دوڑائی اور مایوس ہو کر کاؤنٹر کلرک کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"ممکن ہے باتھ روم میں چلے گئے ہوں۔"

"اوہ... کوئی عقبی دروازہ تو نہیں ہے؟"

"جی نہیں، ہوٹل سے باہر جانے کے لیے صرف ایک ہی دروازہ ہے۔" کاؤنٹر کلرک بولا۔

خاور نے اس کی آنکھوں میں تشکیک کی جھلک محسوس کی تو مسکرانے لگا۔ "دراصل وہ میرا دوست ہے۔ ایک مشہور اداکار۔ تم نے جمال کا نام تو سنا ہی ہوگا۔ آج کل شہر میں اس کی دو فلمیں چل رہی ہیں۔"

"جی ہاں، جی ہاں... لیکن وہ شخص جمال کس طرح ہو سکتا ہے؟ معاف کیجیے، جمال اور اس شخص میں دن اور رات کا فرق ہے۔" کاؤنٹر کلرک نے حیرت سے اظہارِ خیال کیا۔

"وہ اس وقت میک اپ میں ہے۔" خاور بلاوجہ ہی گفتگو کو طویل کرتا جا رہا تھا۔

"میک اپ..." کاؤنٹر کلرک حیرت سے بولا پھر بے یقینی سے ہنسنے لگا۔ "کمال ہے صاحب! آخر کون اس قدر بھونڈی صورت بنا کر باہر نکلے گا۔"

"عجیب آدمی ہیں آپ!" خاور ناگواری سے بولا۔ "... اگر وہ میک اپ میں نہ رہا ہوتا تو اس وقت ہوٹل میں تل دھرنے کی بھی جگہ نہ ہوتی اور اس بے چارے کی جان تنگ مصیبت میں آجاتی۔"

"جی ہاں، یہ بات تو ہے۔" کاؤنٹر کلرک کھسیا گیا۔

"اگر وہ ٹائلٹ میں ہے تو ابھی تک باہر کیوں نہیں نکلا؟"

"میں دیکھوں، جناب؟" کاؤنٹر کلرک نے کہا۔

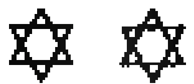
خاور نے سر کو اثبات میں جنبش دی۔

کلرک، کاؤنٹر کے عقب سے نکلا اور باتھ روم کی طرف بڑھ گیا...

جلد ہی وہ واپس آیا تو اس کا چہرہ دیکھ کر خاور سمجھ گیا کہ وہ شخص ٹائلٹ میں نہیں ہے۔ "نہیں، جناب! میرا خیال ہے، وہ ہال کے دروازے سے اندر داخل ہونے کے بعد، فوراً ہی باہر نکل گئے ہوں گے۔" کلرک نے قریب آتے ہوئے کہا۔

خاور نے اس کا شکریہ ادا کیا اور ہوٹل سے باہر آگیا۔

پُراسرار شخص کی پُراسرار گم شدگی سے یہ بات صاف ظاہر تھی کہ وہ تعاقب سے باخبر ہو چکا تھا۔ خاور پر جھنجلاہٹ طاری ہو گئی۔ اپنی دانست میں وہ ایک زبردست کارنامہ سرانجام دینے جا رہا تھا جس کی اطلاع ایکسٹو کے لیے کسی دھماکے سے کم نہ ہوتی لیکن اب تو معاملہ ہی ٹائیں ٹائیں فش ہو گیا تھا۔ وہ الجھا ہوا پارکنگ تک آیا۔ موٹر سائیکل کے قریب کھڑے ہو کر وہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ بار بار اس کے ذہن میں پاگل صفدر گھوم رہا تھا جسے اس وقت تک پاگل خانے میں داخل کروا دیا گیا ہوگا... پھر وہ پُراسرار شخص... خاور نے سر کو جھٹکا دے کر اپنا ذہن خیالات سے آزاد کرنے کی کوشش کی۔ اس نے سگریٹ کا پیکٹ نکالنے کے لیے جیب میں ہاتھ ڈالا تو وہ کاغذ کی گولی ہاتھ میں آگئی... خاور نے اسے کھول کر دیکھا تو اس کی بھویں تن گئیں۔ بڑے ہی خوبصورت انداز میں لکھا تھا۔ "تم گدھے ہو۔"



عمران کے فلیٹ سے واپسی پر جولیا اوندھے منہ مسہری پر گر گئی۔ اس کے پورے جسم میں گویا آتش فشاں سا پھٹ رہا تھا... گرم اور جھلسا دینے والا لاوا، اس کے انگ انگ کو جلا رہا تھا۔ بار بار اس کے ذہن میں ایکسٹو کے جملے گونج رہے تھے۔ ہر مرتبہ یہ جملہ اس کے دل پر ایک نیا گھاؤ لگاتا کہ تنویر سے شادی کے لیے تیار ہو جاؤ... ایکسٹو، جسے اس نے دل کی گہرائیوں سے چاہا تھا، جو اس کا آئیڈیل تھا جس کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے وہ اپنی زندگی تک ہار سکتی تھی، جس کے ذرا سے اشارے پر وہ موت کے منہ میں کودنے کے لیے تیار ہو جاتی تھی۔ اسی ایکسٹو نے آج اس کے جذبات پر اپنے سفاک حکم کی بھاری چٹان رکھ دی تھی۔

"ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ یہ ناممکن ہے۔ میں نے ضرور کوئی... بھیانک خواب دیکھا ہے۔" جولیا نے بے چینی سے تکیے پر سر پٹختے ہوئے خود سے کہا اور پوری قوت سے دانت اپنے ہاتھ میں اُتار لیے۔ ایک دردناک چیخ، اُس کے نازک لبوں سے آزاد ہوئی اور وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے ہاتھ کی طرف دیکھنے لگی۔ دانت خاصے گہرے اُتر گئے تھے جن کی وجہ سے خون رسنے لگا تھا۔ "نہیں، یہ خواب نہیں... ایک تلخ حقیقت ہے۔" وہ بڑبڑائی۔

اچانک کمرہ، فون کی تیز گھنٹی سے گونج اُٹھا۔ لمحہ بھر کے لیے اُس کی دھڑکنیں معدوم سی ہو گئیں۔ 'کون ہو سکتا ہے؟' اُس نے سوچا اور اُچھل کر مسہری سے اُتر آئی۔ یہ خیال فوراً ہی اُس کے ذہن میں جاگزیں ہوا تھا کہ ایکسٹو نے اپنا حکم واپس لینے کے لیے فون کیا ہے۔ وہ یوں لپک کر فون کے قریب پہنچی، جیسے اُس کے جسم میں برقی رَو دوڑ رہی ہو۔ ریسیور اُٹھایا اور لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔ "جولیا۔ دِس سائیڈ۔"

"ہیلو، جولی! میں تنویر ہوں۔" دوسری طرف سے تنویر کی آواز سُنائی دی۔ اُس کے لہجے میں بے پناہ خوشی تھی۔

جولیا کی بھویں تن گئیں، تنفس کی آمدورفت طوفانی ہو گئی، ہاتھ کی گرفت ریسیور پر کچھ اس قدر مضبوط ہو گئی جیسے وہ اُسے ریزہ ریزہ کردینے کا ارادہ رکھتی ہو یا پھر تنویر کی گردن مروڑ دینے کے ارادے کو عملی جامہ پہنانے جا رہی ہو۔ "کیا بات ہے؟" جولیا کو خود اپنی آواز دُور سے آتی محسوس ہوئی۔

"یُونہی، بس... تمہاری خیریت دریافت کرنے کے لیے فون کیا ہے۔"

"تمہیں میری خیریت سے کیا دلچسپی؟"

"اوہ... کیا تمہیں نہیں معلوم... کل سے ہم دونوں کی دلچسپیاں مشترک ہو جائیں گی۔" تنویر کی آواز خوشی سے لرز رہی تھی۔

"بھول جاؤ، تنویر! کل تمہیں میری لاش ہی ملے گی۔"

"کک... کیا مطلب؟"

"یہی کہ میں تم پر تھوکتی بھی نہیں۔"

"لیکن ایکسٹو..." تنویر کی بوکھلائی ہوئی آواز سُنائی دی۔

"میں اُسے بھی شُوٹ کر دوں گی۔" جولیا حلق کے بل چیخ اُٹھی۔ "اُسے میرے جذبات سے کھیلنے کا کوئی حق نہیں۔"

"اوہ..." ایئر پیس میں تنویر کی طویل سانس سُنائی دی۔ "میرا خیال تھا، جولی! شاید تمہیں واقعی مجھ پر رحم آگیا ہے۔ بہرطور، اب تو یہ ایکس سرکاری حکم ہے۔ اس کی بجا آوری میرا اور تمہارا فرض ہے۔"

"جہنم میں گیا، فرض... میں خودکشی کر لوں گی۔ نہ رہے گا بانس، نہ بجے گی بانسری۔"

"اتنا ستم بھی ٹھیک نہیں... آخر کل تم دُلہن بننے جا رہی ہو۔" تنویر کے لہجے میں بے پناہ پیار اُمڈ آیا۔

"ضرور... لیکن وہ دُلہن کفن میں لپٹی ہوئی ایک لاش ہو گی۔"

"کچھ بھی کہو، جب ایکسٹو جیسی سنگلاخ چٹان پگھل سکتی ہے تو تم ایک عورت ہو، جسے خُدا نے نعمت بنا کر بھیجا ہے۔ ایسی خوفناک باتیں تمہیں زیب نہیں دیتیں۔"

"بکواس مت کرو۔" جولیا نے غرّا کر کہا اور پوری قوت سے ریسیور، کریڈل پر پٹخ دیا۔ ریسیور ایک دھماکے سے ٹکرایا اور فون لُڑھک کر فرش پر آ رہا۔ جولیا نے ایک ٹھوکر مار کر فون کو پرے پھینک دیا۔

اگلے ہی لمحے وہ فلیٹ مقفّل کر کے تیزی سے نیچے جا رہی تھی۔ سیڑھیاں اُتر کر وہ تقریباً بھاگتی ہوئی سڑک پر آ گئی۔ گزرتی ہوئی ایک ٹیکسی کو ہاتھ دے کر روکا اور ڈرائیور کو قریبی مارکیٹ چلنے کے لیے کہا۔

اُس کے چہرے پر چھائی ہوئی بدحواسی، اُڑی اُڑی سی رنگت، کھلے کھلے سے گیسو، آنکھوں کے نیچے گہرے سیاہ حلقے دیکھ کر لمحہ بھر تو ڈرائیور متذبذب سا اُس کی طرف دیکھتا رہا پھر اُس نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ وہ بار بار عقب نما آئینے میں جولیا کا جائزہ لے رہا تھا اور پھر اُس کے ہونٹوں پر معنی خیز مُسکراہٹ پھیل گئی۔ "کیا میں آپ کے کسی کام آ سکتا ہوں، مِس؟"

"کیا مطلب...؟" جولیا چونک کر ڈرائیور کو گھورنے لگی۔

"آپ کچھ پریشان دکھائی دیتی ہیں۔"

"اپنے کام سے کام رکھو۔" جولیا غرّائی۔

"آپ نے غلط سمجھا۔ میں تو آپ کی مدد کرنا چاہتا تھا۔" ڈرائیور نے ایک مرتبہ پھر ہمدردی کا اظہار کیا۔

"میں کہتی ہوں، بکواس بند کرو۔" جولیا کی آواز پھٹ گئی۔ "آخر تم اپنی زبان بند کیوں نہیں رکھتے۔ کسی غلط فہمی میں مت پڑنا۔ یہیں اُتار کر وہ جُوتے لگاؤں گی کہ عمر بھر یاد رکھو گے۔"

"نیکی کا زمانہ ہی نہیں ہے، صاحب!" ڈرائیور نے بُرا سا منہ بنایا اور بڑبڑانے لگا۔ اب اُس کے چہرے سے معنی خیز مُسکراہٹ ڈھل گئی تھی جو کچھ دیر پہلے جولیا کی ظاہری حالت دیکھ کر اُس کے ہونٹوں پر آ گئی تھی۔

مارکیٹ تک خاموشی رہی۔

جولیا نے نیچے اُتر کر ایک بڑا نوٹ ڈرائیور کی طرف بڑھا دیا اور باقی پیسے لیے بغیر آگے بڑھ گئی۔ ڈرائیور حیرت سے کبھی نوٹ کی طرف اور کبھی جولیا کو دیکھتا رہ گیا۔ "اللہ کی شان! بیسوائیں بھی حاتم کی

تھپڑ لات مارنے لگیں۔" وہ بڑبڑایا لیکن عالمِ استعجاب میں اپنے لہجے پر قابو نہ رکھ سکا۔ شاید جولیا نے بھی اس کا جملہ سُن لیا تھا۔ وہ ایک جھٹکے سے رُک گئی اور انتہائی شعلہ بار نگاہوں سے ڈرائیور کی طرف دیکھا۔ اُس کی آنکھوں میں نہ جانے کیا بات تھی کہ ڈرائیور کو جھرجھری سی آگئی۔ اُسے فوراً ہی اپنی غلطی کا احساس ہُوا لیکن یہ احساس بعد از وقت تھا...

جولیا تیر کی طرح اُس کے قریب آئی اور ایک زناٹے دار تھپڑ ڈرائیور کے مُنہ پر پڑا۔ ڈرائیور جو دیکھنے میں خاصے تن و توش کا مالک تھا، بے ساختہ چیخ اُٹھا۔ اُس کے مُنہ سے خون کی لکیر بہہ کر ٹھوڑی تک آگئی۔

"اگر گھر سے باہر نظر آنے والی ہر عورت بیسوا ہوتی ہے تو... ذلیل انسان! تمھاری ماں کیا کھُونٹے سے بندھی رہتی ہے؟ کیا وہ کبھی باہر نہیں نکلتی؟ جاؤ، اُس سے جا کر دریافت کرو کہ یہ گندی ذہنیت تمھیں کس سے ورثے میں ملی ہے، وہ یقیناً تمھیں اس کا نام بتا دے گی۔" جولیا یہ کہہ کر پھرتی سے پلٹی اور سامنے دکھائی دینے والے میڈیکل اسٹور کی طرف بڑھ گئی۔

ٹیکسی ڈرائیور کے چہرے پر حزن و ملال کا گہرا تاثر تھا۔ اس وقت آس پاس کوئی نہیں تھا ورنہ شاید جولیا کا تھپڑ محض افتتاحیہ ہی ہوتا۔

"مجھے کچھ خواب آور گولیوں کی ضرورت ہے۔" جولیا نے میڈیکل اسٹور کے سیلزمین کے قریب پہنچ کر کہا۔

"جی..." سیلزمین کی آنکھوں میں تشکیک کی جھلک واضح تھی۔

"پلیز مسٹر... میں کئی راتوں سے نہیں سو سکی۔" جولیا نے استدعا کی۔

"لیکن محترمہ! ڈاکٹری نسخے کے بغیر ایسی ادویات فروخت نہیں کی جاسکتیں۔" سیلزمین نے جولیا کو گھورتے ہُوئے معذرت کی۔ جولیا کی ظاہری حالت دیکھ کر یہ شبہ ہوتا تھا کہ وہ کسی بھی لمحے موت کے مُنہ میں کُودنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ اس کی آنکھوں سے مایوسی جھلک رہی تھی۔ ایسے میں سیلزمین بھلا کوئی خطرہ کیسے مول لے لیتا۔

"میں خود ایک ڈاکٹر ہوں مسٹر! براہِ کرم مجھے زیادہ انتظار نہ کروائیں میں اس وقت دو تین گھنٹوں کی نیند کے لیے بے چین ہوں۔" جولیا نے ایک بڑا نوٹ نکال کر کاؤنٹر پر پھینک دیا۔ "کیا یہ کافی ہے یا اور دوں؟" جولیا نے پرس ٹٹولتے ہُوئے کہا۔

سیلزمین نے ایک نظر نوٹ کی طرف دیکھا اور پھر... دزدیدہ نگاہوں سے اس کیبن کی طرف دیکھنے لگا جس کے دروازے پر پروپرائٹر کی تختی لگی ہُوئی تھی۔ "مل... لیکن مِس! کیا آپ زیادہ ڈوز لینا چاہتی ہیں؟ میرا مطلب ہے..." سیلزمین خاموش ہو کر جولیا کی طرف دیکھنے لگا۔

"جی ہاں، مجھے پوری شیشی کی ضرورت ہے۔" جولیا نے مستحکم لہجے میں جواب دیا۔

"اوہ... لیکن... خیر۔ اگر آپ کا ارادہ خطرناک ہو تو براہِ کرم میرا خیال ضرور کر لیجیے گا۔" سیلزمین نے یہ کہہ کر خواب آور گولیوں کی شیشی جولیا کی طرف سرکا دی۔ جولیا نے اُسے اُٹھایا اور پرس میں رکھتی ہُوئی تیزی سے باہر آگئی لیکن دروازے سے نکلتے ہی ٹھٹک جانا پڑا۔

سامنے وہی ٹیکسی ڈرائیور کھڑا تھا۔ اُس کے مُنہ سے خون نکل کر اب بھی اُس کی ٹھوڑی پر بہہ رہا تھا۔ جولیا نے اُس کی طرف قہر آلود نگاہوں سے دیکھا اور پھر اس کی نگاہ اُس نوٹ کی طرف مبذول ہوگئی... جو ٹیکسی ڈرائیور کے ہاتھ میں کانپ رہا تھا۔ "میں... میں آپ سے معافی مانگنے آیا ہُوں۔ خُدا کے لیے مجھے معاف کر دیں۔ آپ نے جو طمانچہ مارا ہے، اُس سے میرے دل کی آنکھیں روشن ہوگئی ہیں۔ میرا دھندا کچھ اس قسم کا ہے کہ صبح سے شام تک کئی عورتوں سے پالا پڑتا ہے جن میں سے اکثر ہمیں ہی رابطے کے لیے استعمال کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" جولیا نے نرم لہجے میں کہا۔ "مجھے تم سے... کوئی شکایت نہیں۔"

"مجھے خوشی ہے کہ آپ نے ایک نیک دل خاتون کی طرح مجھے معاف کر دیا ہے۔ براہِ کرم، یہ پیسے واپس لے لیں ورنہ میرے ضمیر پر بوجھ رہے گا۔"

"کوئی بات نہیں۔ انھیں تم میری طرف سے ٹِپ تصوّر کرلو۔" جولیا نے مزید نرمی سے کہا۔

ٹیکسی ڈرائیور کی آنکھیں نم ہوگئیں لیکن اُس کا کانپتا ہُوا ہاتھ بدستور جولیا کی طرف بڑھا رہا۔ جولیا نے نوٹ کو نظرانداز کرتے ہُوئے اُس کی ٹیکسی کی طرف پیش قدمی کی اور دروازہ کھول کر بیٹھ گئی۔

ڈرائیور واپس آکر سیٹ پر بیٹھ گیا۔

"مجھے واپس وہیں پہنچا دو، جہاں سے لائے تھے۔"

"جی، بہت اچھا۔" ڈرائیور نے جواب دیا اور ٹیکسی تیزی سے واپس چل دی۔

جولیا اُلجھی اُلجھی سی بیٹھی خالی خالی نگاہوں سے سامنے گھورتی رہی۔ ٹیکسی ہچکولے کھاتی ہُوئی سفر طے کرتی رہی... اور لگ بھگ پندرہ منٹ بعد، اُس عمارت کے سامنے جا کر رُک گئی جس میں جولیا کا فلیٹ تھا۔

جولیا خاموشی سے اُتری اور بغیر کسی طرف توجّہ دیے تیزی سے صدر دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ ابھی وہ سیڑھیاں طے کر کے راہداری میں پہنچی ہی تھی کہ سامنے سے ایک انتہائی کریہہ الشکل آدمی کو آتے دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ متناسب الاعضا یہ شخص، گہری

نگاہوں سے جولیا کو گھورتا ہوا قریب سے گزر گیا تو جولیا کے جسم میں ہلکی سی تھرتھری پیدا ہو گئی۔ اس شخص کی آنکھیں انتہائی سرد اور خوفناک تھیں۔ بالائی ہونٹ کو تھوڑا سا ابھار کر ایک دانت نچلے ہونٹ تک چلا آیا تھا اور یوں دکھائی دیتا تھا جیسے نچلے ہونٹ میں پیوست ہو گیا ہو۔ جولیا نے عقبی سیڑھیوں کی طرف دیکھا لیکن وہ شخص سیڑھیاں اتر کر جا چکا تھا۔

جولیا خیالوں میں ڈوبی ہوئی دروازے تک پہنچی... کی ہول میں چابی گھمائی اور دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تو اس کی نگاہ سامنے میز پر رکھے ہوئے ٹیلی فون پر پڑی۔ اس کے دائیں پاؤں کی انگلیوں میں درد کی ایک لہر سی اٹھی اور وہ چونک پڑی۔ اسے یاد آ گیا کہ جانے سے پہلے وہ فون کو ٹھوکر مار کر دور پھینک گئی تھی پھر یہ فون میز پر کس طرح پہنچ گیا؟ نہ صرف فون میز پر تھا بلکہ ریسیور بھی سلیقے سے کریڈل پر یوں رکھا ہوا تھا جیسے کسی نے احتیاط سے صاف کر کے اسے میز پر رکھ دیا ہو۔

"یہ کیا اسرار ہے؟" جولیا بڑبڑائی اور دھیرے دھیرے چلتی ہوئی فون کے قریب پہنچی۔ اس نے ریسیور اٹھا کر اس کا معائنہ کیا اور اس کی نگاہ مسہری کے نیچے پڑے ہوئے ایک سیاہ رنگ کے چھوٹے سے ٹکڑے پر پڑی۔ اس نے ریسیور کریڈل پر رکھا اور جھک کر وہ سیاہ ٹکڑا اٹھا لیا۔ غور سے دیکھنے کے بعد اسے یقین ہو گیا کہ فون کے گرنے کے بعد یہ ٹکڑا، فون کے کسی حصے سے ٹوٹ کر الگ ہو گیا تھا۔ ٹکڑا ہاتھ میں لیے وہ دوبارہ فون کی طرف بڑھی۔ غور سے فون کو ہر طرف سے دیکھا لیکن کسی جگہ بھی ٹوٹ پھوٹ دکھائی نہیں دی۔ وہ الجھی الجھی سی مسہری پر بیٹھ گئی۔ پرس اس نے بستر پر پھینک دیا تھا۔ شاید اسی لیے وہ اسے کھلا دکھائی دیا۔ خواب آور گولیوں کی شیشی اس سے نکل کر مسہری پر پڑی نظر آ رہی تھی۔ جولیا نے شیشی اٹھا کر ہاتھ میں لی۔ خواب آور گولیوں کی موجودگی کے احساس نے اس کے ذہن میں ایکسٹو کا لگایا ہوا زخم ہرا کر دیا۔ وہ سب کچھ بھول کر ایک بار پھر ایکسٹو کے تازہ ترین حکم پر غور کرنے لگی۔ وہ عمران کے پاس بھی محض اسی لیے گئی تھی کہ ممکن ہے عمران ایکسٹو کو اپنا حکم واپس لینے پر مجبور کر دے۔ اسے کوئی خوش فہمی نہیں تھی پھر بھی کوشش کارآمد ثابت ہو سکتی تھی۔

یہ بات تو اٹل تھی کہ اگر ایکسٹو نے اپنا نادر شاہی حکم واپس نہ لیا تو اپنی زندگی ختم کر دے گی لیکن اس دھمکی پر عمل کرنے کا وقت ابھی دور تھا، تاہم چند گھنٹے گزارنا بھی اس کے لیے مشکل ہو رہے تھے۔ بار بار آنکھیں چھلک اٹھتی تھیں۔ دل خون کے آنسو بہانے لگتا تھا۔ وہ خاموشی سے آنسو بہاتی رہی۔ خواب آور شیشی پر اس کی گرفت خاصی مضبوط تھی، بالکل اس طرح جیسے اسے اس واحد سہارے کے چھن جانے کا خطرہ ہو۔ نہ جانے کب تک آنسو بہاتی ہوئی وہ نیند کی وادیوں میں کھو گئی۔ شیشی اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر قالین پر گر گئی اور وہ بے سدھ پڑی سوتی رہی لیکن ٹھیک اس وقت، جبکہ دیوار گیر کلاک اپنی خوفناک آواز میں آٹھ بجنے کا اعلان کر رہا تھا، اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے چند لمحے غور و فکر میں گزارے۔ اس دوران میں اس کی نگاہیں مسلسل فون پر مرکوز رہیں لیکن وہ بھی اس وقت کسی مردے کی طرح خاموش تھا۔

جولیا آہستگی کے ساتھ مسہری سے اتری۔ خواب آور گولیوں کی شیشی قالین سے اٹھائی۔ دھیرے دھیرے اس کا ہاتھ متحرک ہوا ڈھکنا گھومنے لگا... اور پھر آنکھیں بند کر کے اس نے پوری شیشی حلق میں انڈیل کر گولیاں چبانی شروع کر دیں۔

چند ہی لمحوں بعد وہ قالین پر ساکت پڑی ہوئی تھی، اس جسم کی طرح جس کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی ہو۔

جولیا کے جانے کے بعد عمران دیر تک سوچ کی گھرائیوں میں غوطہ زن رہا۔ اچانک خفیہ ٹیلی فون کا بلب اسپارک کرنے لگا... نہ جانے بلب کب سے اسپارک کر رہا تھا، عمران کی نگاہ تو بس اچانک ہی اس طرف اٹھ گئی تھی۔ وہ جلدی سے اٹھا اور تیر کی طرح خفیہ کمرے میں پہنچ گیا۔ "ایکسٹو..." اس نے ریسیور اٹھاتے ہی مخصوص بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"میں خاور بول رہا ہوں، جناب!" دوسری طرف سے خاور کی آواز سنائی دی۔

"یس، خاور!"

"جناب! میں آپ کو ایک حیرت انگیز اطلاع دینا چاہتا ہوں۔"

"خاور..." ایکسٹو کی آواز بے انتہا سرد تھی۔

"مم... میرا مطلب تھا، جناب..." خاور ہکلایا۔

"جلدی بکو، کیا بات ہے؟" عمران، ایکسٹو کے لہجے میں غرایا۔

"میں نے ابھی کچھ دیر پہلے صفدر کو ایک پاگل کے روپ میں دیکھا تھا، جناب!"

"پاگل کے روپ میں... تفصیل سے بتاؤ؟"

جواباً خاور نے بڑی تفصیل کے ساتھ صفدر کے پاگل پن اور اس کے کارناموں کا تذکرہ کیا۔ آخر میں اس کریہہ الشکل شخص کے بارے میں بھی بتایا جو شیراز میں گھس کر اسے ڈاج دینے میں کامیاب

ہو گیا تھا۔

"ہوں... کیا وہ پرچہ اس وقت بھی تمہارے پاس ہے؟"

"جج... جی نہیں... میں نے اُسے پارکنگ میں ہی پھاڑ کر پھینک دیا تھا۔"

"اس شخص نے واقعی ٹھیک لکھا تھا۔" ایکسٹو کے لہجے میں برہمی تھی۔

"مم... میں سمجھا نہیں، جناب!"

"یہی کہ تم واقعی گدھے ہو۔ فوراً اپنے فلیٹ واپس جاؤ۔ تعاقب کا خیال رکھنا اور سیکرٹ سروس کے دوسرے ممبروں سے دور رہنے کی کوشش کرنا۔" عمران نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ اس کے ذہن میں ہونے والے دھماکوں کی رفتار بڑھ گئی تھی۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ بیٹھے بٹھائے یہ کیا چکر شروع ہو گیا ہے۔ وہ کون ہے جس نے جولیا کو تنویر سے شادی کرنے کا حکم دیا اور یہ کیا اسرار ہے کہ صفدر جیسا ہونہار ایجنٹ، جوتوں کا ہار پہنے، لوگوں کی کھوپڑیاں سہلاتا رہا... نتیجتاً پاگل خانے جا پہنچا تھا۔ خاور نے جس کریہہ الشکل آدمی کا تذکرہ کیا تھا، اس نے معاملے کی نوعیت کو اور بھی اُلجھا دیا تھا۔ جولیا سے وہ غلط بیانی کی توقع اس لیے نہیں کر سکتا تھا کہ وہ کبھی تنویر کی ذات کو ملوث کر کے کوئی مذاق نہیں کر سکتی تھی۔ تنویر سے وہ کس قدر نفرت کرتی تھی، اس سے عمران بخوبی واقف تھا۔ جولیا کے بیان کے مطابق ایکسٹو کا فون، تنویر کی کال کے تھوڑی ہی دیر بعد آ گیا تھا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ تنویر نے ایکسٹو کے لہجے کی نقل اُتار کر جولیا کو اُلجھایا ہو؟ "نہیں، تنویر اس کی جرأت بھی نہیں کر سکتا"... عمران زیرِ لب بولا۔

وہ جانتا تھا کہ ایکسٹو کی مخصوص بھرّائی ہوئی آواز بنانے کے لیے خود اُسے اور بلیک زیرو کو کتنی محنت کرنا پڑی تھی... پھر وہ آواز کس کی تھی؟ خود اپنے بارے میں صد فی صد یقین تھا کہ اس نے پچھلے کئی ماہ کے دوران، کسی ماتحت سے ایکسٹو کی آواز میں رابطہ قائم نہیں کیا تھا... اور پھر وہ بدصورت شخص کون ہے؟ جس کا تعاقب کرتا ہوا، خاور ہوٹل شیزان تک گیا تھا۔ ہوٹل جانے سے پہلے وہ لمحہ بھر کے لیے فٹ پاتھ پر رُکا تھا، وہیں اس نے نوٹ بک کے ایک ورق پر کچھ لکھا تھا۔ خاور نے وہ ورق اس شخص کی جیب سے پار کر لیا اور جب اُسے کھول کر دیکھا تو "تم گدھے ہو" لکھا ہوا تھا۔ اگر یہ جملہ خاور کے لیے لکھا گیا تھا تو وہ شخص یقیناً اس بات سے آگاہ ہو گیا تھا کہ اس کا تعاقب کیا جا رہا ہے۔ پھر اُسے یہ بھی یقین تھا کہ خاور اس کی جیب سے کاغذ کی گولی ضرور نکالے گا۔

خاور سے واقعی جلد بازی سرزد ہو گئی تھی۔ اگر خاور کاغذ کی وہ گولی اس کی جیب سے نہ نکالتا تو وہ اس کا کیا کرتا؟ کیا خود خاور کی جیب میں منتقل کر دیتا یا پھر...؟ اچانک عمران کے ذہن میں دھماکا سا ہوا... کہیں وہ کسی کے لیے کوئی پیغام تو نہیں تھا؟ لیکن ایسا بے معنی اور بے سروپا پیغام... ممکن ہے، یہ محض ایک کوڈ رہا ہو۔

جوں جوں وہ سوچتا رہا، اُلجھتا ہی رہا۔

صفدر کا پاگل پن بھی کہیں اسی پُراسرار شخص کے ایما پر تو نہیں تھا؟ اس کا مطلب ہے، جس کسی نے بھی ایکسٹو کے لہجے کی نقل کی تھی، وہ سیکرٹ سروس کے ممبروں کو اچھی طرح جانتا ہے۔ بلاشبہ یہی بات ہے ورنہ تنویر اور جولیا کی شادی کا حکم کس خانے میں فٹ کیا جا سکتا ہے؟

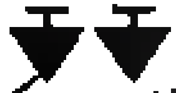
عمران نے سر جھٹک کر اپنے ذہن کو خیالات کی گرفت سے آزاد کرنے کی کوشش کی جو اب تک غبار کی طرح اس کے ذہن پر چھائے ہوئے تھے۔ چند لمحے وہ خالی الذہنی کے عالم میں فون کو گھورتا رہا پھر اس نے ریسیور اُٹھا کر، دانش منزل کے نمبر ڈائل کیے۔ جلد ہی دوسری طرف سے سلسلہ مل گیا لیکن بلیک زیرو کی آواز نہیں سنائی دی۔ دوسری طرف سے ایک مترنم نسوانی آواز سنائی دے رہی تھی کہ اپنا پیغام ٹیپ کروا دیں۔ عمران نے ایک طویل سانس لے کر سلسلہ منقطع کر دیا۔ بلیک زیرو دانش منزل میں نہیں تھا۔

عمران نے رانا پیلس کے نمبروں پر کوشش کی لیکن جوزف نے اُسے بتایا کہ طاہر نے کئی دنوں سے ادھر کا رُخ نہیں کیا۔ عمران نے ریسیور رکھ دیا اور جیب سے چیونگم کا پیکٹ نکال کر، دو تین پیس اکٹھے ہی پھانک کر جگالی کرنے لگا۔ اس کا ذہن تیزی سے کام کرنے لگا۔ حالات کا تفصیل سے جائزہ لینے کے بعد بھی وہ کسی خاص نتیجے پر نہ پہنچ سکا۔ جولیا کے بارے میں تو خیر وہ مطمئن تھا کہ کسی وقت بھی اُسے سمجھا بجھا کر ٹھیک کر لے گا لیکن صفدر کا معاملہ اُلجھا ہوا تھا۔ یہ بات بھی قرینِ قیاس نہیں تھی کہ صفدر واقعی پاگل ہو گیا ہوگا۔ سوچ سوچ کر اس کا بھیجا دُکھنے لگا لیکن کوئی بات سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ ایک طویل سانس لے کر، اس نے ریسیور اُٹھایا اور دوبارہ بلیک زیرو کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔ کچھ دیر گھنٹی بجتی رہی پھر کسی نے ریسیور اُٹھایا اور ایکسٹو کی مخصوص بھرّائی ہوئی خشک آواز سنائی دی۔ "ایکسٹو..."

"عمران بول رہا ہوں، طاہر!"

"اوہ... فرمائیے، جناب؟" بلیک زیرو نے اس کی آواز سنتے

ہی جلدی سے اصلی آواز میں کہا۔
"کیا تم نے آج کسی وقت جولیا، تنویر یا صفدر سے گفتگو کی تھی؟"
"میرا خیال ہے، پچھلے کئی ماہ سے اس کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔ کیوں، کیا بات ہے، جناب؟"
"ہوں..." عمران ہنکارا بھر کر خاموش ہوگیا۔
"آپ کچھ پریشان معلوم ہوتے ہیں، جناب!"
"ہاں، کسی نے ایکسٹو کی آواز میں جولیا کو فون کیا تھا۔ فون کرنے والے نے جولیا کو دھمکی دی ہے کہ اگر وہ کل تک تنویر سے شادی نہیں کرلیتی تو اُسے شدید عتاب کا نشانہ بنایا جائے گا۔"
"جی... میرا خیال ہے، آپ مذاق کر رہے ہیں۔" بلیک زیرو کے لہجے میں استعجاب کی گہری جھلک تھی۔
"یہ حقیقت ہے، طاہر! لیکن اس سے زیادہ خطرناک... اور پریشان کن بات صفدر کی ہے جو پاگل خانے پہنچ چکا ہے۔"
"یہ میں کیا سن رہا ہوں، جناب! کیا یہ حقیقت ہے؟"
"ہاں..." عمران نے کہا اور خاور کی رپورٹ دُہرادی۔ جولیا کے بارے میں بھی تفصیل سے آگاہ کردیا۔
"جناب! کہیں یہ تنویر ہی کی شرارت نہ ہو۔ وہ جولیا پر بُری طرح ریشہ خطمی ہو رہا ہے۔ ممکن ہے، اس نے جولیا کو پریشان کرنے کے لیے ایسا کیا ہو۔" بلیک زیرو نے اُلجھے ہوئے لہجے میں خیال آرائی کی۔
"ناممکن... وہ اتنی جرأت نہیں کرسکتا۔ میں اس لائن پر سوچ چکا ہوں۔ ابھی تک مجھے یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ تنویر کو بھی اس سلسلے میں کوئی کال موصول ہوئی ہے یا نہیں۔"
"آپ نے فون کرکے معلوم کرلیا ہوتا۔"
"حماقت ہے... میں اس معاملے میں کسی سازش کی بُو سونگھ رہا ہوں۔ اس سے پیشتر کئی مرتبہ ایکسٹو کو بے نقاب کرنے کی کوشش کی جاچکی ہے۔ ممکن ہے، اس بار بھی کوئی ایسا ہی ارادہ لے کر میدان میں آیا ہو۔"
"خاور نے شیزان میں اُس پُراسرار شخص کو تلاش کیا ہوگا؟"
"ہاں... لیکن وہ شخص میک اپ میں تھا۔ ٹائلٹ میں جاکر اُس نے میک اپ ختم کیا اور پھر خاور کے قریب سے ہی مطمئن انداز میں باہر نکل گیا۔"
"اب کیا، کیا جائے، جناب؟ ظاہر ہے، اس وقت ہم اندھیرے میں ہیں۔ اگر خاور اس شخص کو نہ کھو دیتا تو تفتیش کی گاڑی اسی سے آگے بڑھ سکتی تھی۔"
"سب سے پہلے تو صفدر کی فکر کرنی چاہیئے۔ میرا خیال ہے، آج رات، میں خود اُس کے پاس پہنچتا ہوں۔" عمران نے پُرسوچ لہجے میں کہا۔
"صفدر نے کسی ممبر سے غالباً کوئی تذکرہ نہیں کیا ہوگا... کیوں، جناب؟"
"کیا بھی ہوگا تو ہم معلوم نہیں کریں گے۔ بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے، طاہر!" عمران نے یہ کہہ کر سلسلہ منقطع کردیا۔



تنویر نے بُرا سا منہ بنا کر ریسیور، کریڈل پر پٹخ دیا۔ جولیا سے گفتگو کا آغاز ہمیشہ انتہائی رُومانوی انداز میں ہوتا تھا لیکن اختتام بے حد ذلّت آمیز... انسان کی فطرت ہے کہ وہ ہر اُس چیز کی طرف جُھکتا ہے جو اُس کی دسترس سے دُور ہو۔ اس کے حصول کی خاطر زمین و آسمان ایک کردیتا ہے لیکن حاصل ہوتے ہی مطلوب کی اہمیت گھر کی اُس مُرغی جیسی ہوجاتی ہے، جسے دال برابر خیال کیا جاتا ہے۔ کچھ یہی حالت تنویر کی بھی تھی۔ اُس کی طبیعت پر رُومانس کی گرفت بہت گہری تھی۔ کہیں بھی اچھی صُورت دیکھی اور بے قابو ہوگیا۔ پہلے پہل جب وہ سیکرٹ سروس میں آیا تھا... تو جولیا کی موجودگی کو نعمتِ غیر مترقبہ خیال کرتے ہوئے یہ فیصلہ کر بیٹھا تھا کہ اُسے حاصل کرے گا۔ سب سے پہلے تو اُس نے اپنی رومانوی گفتگو کا جال پھیلایا لیکن جولیا لاکھ عورت سہی، رُومانس جیسی لغویات سے دُور تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کے دل میں ایکسٹو کے لیے لطیف جذبات کا ایک طوفان سا موجزن تھا۔ ایکسٹو کی شخصیت اس کے لیے انتہائی پُراسرار تھی اور اُس نے جولیا کو بحیثیت ایک عورت، کبھی مخاطب نہیں کیا تھا۔ شاید اسی لیے جولیا کے دل میں بسا ہوا مبہم سا آئیڈیل ایکسٹو کے رُوپ میں سامنے آگیا تھا۔ تنویر نے جولیا کو رام کرنے کے لیے سو جتن کیے لیکن اُسے آمادۂ التفات نہ پاکر اُس کی حالت کھسیانی بلی کی سی ہوگئی تھی۔ اب بھی وہ کبھی کبھار جولیا سے اظہارِ محبت کرتا تھا لیکن پہلے جیسی گرم جوشی کے ساتھ نہیں۔ مسلسل کئی ماہ کی بوریت ذہن پر سوار تھی۔ اُس نے سوچا، لاؤ جولیا ہی سے چونچیں لڑائی جائیں۔ اُس نے جلدی سے اس کے نمبر ڈائل کیے اور سلسلہ ملنے کا انتظار کرنے لگا۔
جولیا سے خاصی دیر گفتگو ہوتی رہی۔ آغاز ہمیشہ کی طرح خوش گوار تھا لیکن کچھ ہی دیر بعد اُسے محسوس ہوگیا کہ جولیا اُسے گھس رہی ہے۔ وہ جھنجلایا تو بہت لیکن پھر حسبِ عادت ڈھٹائی پر اُتر آیا۔ نتیجتاً انجام وہی بدمزگی۔ آخر میں جولیا نے اُس پر افیون خوری کا الزام لگایا تھا اور حوالہ ایسے شخص کا دیا تھا جس سے وہ افیون ہی

کی طرح اثر جک تھا۔ اس کا بس نہیں چلتا تھا ورنہ وہ عمران کے چیتھڑے ہی اُڑا دیتا۔ وہ غصّے سے کھولتا ہوا کمرے میں ٹہلنے لگا۔ اُسے عمران پر بے تحاشہ غصہ آرہا تھا۔ اُس نے جولیا سے یہ کیوں کہا کہ تنویر انیون سے بھی شوق کرتا ہے۔ یہ سراسر بہتان تھا جسے وہ کسی بھی طرح برداشت نہیں کرسکتا تھا۔ وہ ایک جھٹکے سے فون کے قریب رُک گیا۔ ارادہ تھا کہ عمران کو خوب خوب سُنائے گا لیکن ابھی وہ آدھے نمبر ہی ڈائل کر پایا تھا کہ معاملہ کھٹائی میں ڈالنے کی خواہش پیدا ہوگئی۔ اُس نے ریسیور کو کریڈل پر رکھ دیا لیکن ذہن میں غصّے کا لاوا اب بھی اُبل رہا تھا۔ "میں اس سور کی ہڈیاں توڑ دوں گا۔" اُس نے مٹھیاں بھینچ کر غصّے سے کہا اور طبیعت پر چھایا ہوا قہر و غضب اُس کی برداشت سے باہر ہونے لگا۔

اگلے ہی لمحے وہ اشتعال کے عالم میں تیار ہونے لگا۔ غالباً وہ جھلاہٹ میں عمران سے دو دو ہاتھ کرنے کے موڈ میں آگیا تھا۔ اچانک فون کی گھنٹی گنگنانے لگی۔ اُس نے قہر آلود نگاہوں سے فون کی طرف دیکھا اور جھٹکے سے ریسیور اُٹھالیا۔ "تنویر!" اُس کے لہجے میں بے پناہ جھلاہٹ تھی۔

"ایکسٹو..." دوسری طرف سے انتہائی خشک آواز آئی۔

"یس، سر... ایٹ یور سروس۔" تنویر کے لہجے میں بے پناہ نرمی آگئی۔

"کیا تم جولیا کو چاہتے ہو؟"

"ج... جی... کک... کیا فرمایا، آپ نے؟" تنویر نے بوکھلا کر کہا اور ریسیور کان سے الگ کرکے، اُس کا جائزہ لینے لگا۔

"تنویر..." ایکسٹو نہ جانے کتنی زور سے دہاڑا تھا کہ ایئر پیس کان سے خاصے فاصلے پر ہونے کے باوجود آواز سُنائی دے گئی۔ اُس نے گھبرا کر جلدی سے ریسیور دوبارہ کان سے لگالیا۔ "یس... یس، سر... یس، سر!"

"میری بات کا جواب دو۔"

"جی ہاں..." تنویر نے تھوک نگل کر کہا۔

"اور جولیا کا کیا حال ہے؟"

"مم... میں سمجھا نہیں جناب!"

"کیا وہ بھی تمھیں چاہتی ہے؟"

"وہ ہمیشہ میرا مذاق اُڑاتی ہے، جناب!"

"ہوں... اگر میں جولیا کو شادی پر مجبور کردوں تو...؟"

"کس کے ساتھ، جناب؟" تنویر جلدی سے بولا۔ اُس کے لہجے میں اُمید کی ہلکی سی جھلک پیدا ہوگئی۔

"تمھارے ساتھ..." ایکسٹو کی جذبات سے عاری آواز سُنائی دی۔

"جی... مم... میرے ساتھ؟" تنویر کے ذہن میں دھماکا سا ہُوا۔ وہ فرش سے اُچھلا اور اگر اُس نے جلدی سے میز کا سہارا نہ لے لیا ہوتا تو یقیناً فرش پر ڈھیر ہو جاتا۔

"کیا تمھیں کوئی اعتراض ہے؟"

"ج... جی نہیں... لیکن جولیا اس پر آمادہ نہیں ہوگی۔"

"میرے کہنے پر بھی نہیں؟"

"میرا یہی خیال ہے، جناب! وہ مجھ سے بُری طرح خار کھانے لگی ہے۔"

"ہوں... تم اُس کے حصول کے لیے کہاں تک جا سکتے ہو؟"

"میں، آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" تنویر تھوک نگل کر بولا... اس کا گلا بار بار خشک ہورہا تھا، اس لیے آواز بھی پھنسی پھنسی سی نکل رہی تھی۔

"یہی کہ تم جولیا کو حاصل کرنے کے لیے کیا کچھ کرسکتے ہو؟"

"جو آپ حکم فرمائیں... وہ میری کمزوری بن چکی ہے جناب! اور اب تو یہ ضد کا معاملہ بن گیا ہے۔ میں اُس کے لیے جہنم میں بھی کُود سکتا ہوں۔"

دوسری طرف سے ایکسٹو کا قہقہہ سُنائی دیا۔ انتہائی خوفناک قہقہہ جیسے ایکسٹو دیوانہ ہوگیا ہو... تنویر سر سے پاؤں تک کانپ گیا۔ لمحہ بھر کے لیے اُس کے ذہن میں ایک خدشے نے جنم لیا کہ کہیں جولیا نے چیف سے اس کی شکایت تو نہیں کردی؛ کچھ دیر پہلے اُس نے بڑے ہی تلخ لہجے میں سلسلۂ گفتگو منقطع کیا تھا۔

"تنویر! میں نے فیصلہ کیا ہے کہ تم دونوں کی شادی کرادوں۔"

"یس، سر۔ تھینک یو، سر... میں..."

"مسکہ لگانے کی ضرورت نہیں۔ میں تم دونوں کی آئے دن کی جھک جھک سے تنگ آگیا ہوں۔ میرا خیال ہے، شادی کے بعد تم دونوں میرے لیے نسبتاً زیادہ کارآمد ثابت ہوسکو گے لیکن اس سلسلے میں تمھیں ایک قربانی دینی پڑے گی۔"

"کیسی قربانی، جناب؟" تنویر خوشی سے بے قابو ہو رہا تھا۔

"اگر تمھارا سر مُنڈا ہوا ہو، پلکیں غائب ہوں، ابرو صاف ہوں... اور تم اپنی مونچھیں بھی ختم کردو تو جولیا کے لیے بطور دولہا کیسے رہو گے؟"

"ج... جی... کیا فرما رہے ہیں آپ؟" تنویر کی ساری خوشی رخصت ہوگئی۔ اُس کا منہ بن گیا اور حیرت سے آنکھیں پھٹ گئیں۔ اُسے یقین ہوگیا... کہ ایکسٹو اُس سے مذاق کر رہا ہے اور ایکسٹو کے

مذاق کا مطلب تھا اُس کی دماغی خرابی... یقیناً ایکسٹو دیوانہ ہو گیا تھا۔

"کیا تم اس شرط کو پورا کرنے کے لیے تیار ہو؟"

"جی نہیں... میں اُسے حاصل ضرور کرنا چاہتا ہوں لیکن اتنی ذلت کے ساتھ نہیں کہ وہ مستقل میرا مضحکہ اُڑاتی رہے یا یہ حرکت میرے لیے زندگی بھر سوہانِ رُوح بنی رہے۔" تنویر نے مستحکم لہجے میں جواب دیا۔ اُس کی آواز میں لرزش، خوف یا ادب کا کوئی پہلو نہیں تھا۔ شاید وہ اپنی مضحکہ خیز حالت کا دل ہی دل میں اندازہ لگا کر جھلاہٹ کی انتہا تک پہنچ گیا تھا۔

"اور اگر یہ میرا حکم ہو تو...؟"

"جج... جی... لیکن اس کی ضرورت ہی کیا ہے؟"

"میں اپنے احکامات کے سامنے لیت ولعل پسند نہیں کرتا، تم اچھی طرح جانتے ہو... ابھی اور اسی وقت اپنے چہرے سے بالوں کا مکمل صفایا کر دو۔ کل کسی وقت فون کر کے میں تمہیں جولیا کے گھر بلواؤں گا، بس... اگر تم نے مزید بحث کی یا احکام کی خلاف ورزی کی تو ایسے عتاب کے لیے تیار رہنا جو تمہارے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوگا۔"

"مل... لیکن، جناب... یہ شادی... ایسا محسوس ہوتا ہے، جیسے آپ ہمیں کسی بات کی سزا دینے جا رہے ہوں۔"

"اسے تم سزا بھی سمجھ سکتے ہو۔" ایکسٹو نے خوفناک لہجے میں کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

تنویر نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا اور بیوقوفوں کی طرح فون کو گھورنے لگا۔ اُس پر جھلاہٹ کا غلبہ شدید تر تھا۔ اعصاب پر اس قدر بوجھ پڑا کر سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہی سلب ہو کر رہ گئی۔ "ناممکن، ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ میں اس قدر ذلت برداشت نہیں کر سکتا۔" وہ بڑبڑایا اور الماری کھول کر، جولیا کی تصویر کا فریم نکال کر دیکھنے لگا۔ یہ تصویر، اُس نے بڑے پاپڑ بیل کر حاصل کی تھی۔ اکثر تنہائیوں میں، خیالوں کے اُڑن گھوڑے پر سوار، وہ پیار کی وادیوں میں، جولیا کے ساتھ پرواز کرنے کے لیے اسی تصویر کا سہارا لیا کرتا تھا۔ جولیا کی مسکراتی تصویر نے لمحہ بھر کے لیے اُسے مبہوت کر دیا۔ اس کے خیالات میں جو لمحاتی جمود طاری ہو گیا تھا، وہ کھسکنے لگا اور جولیا کو حاصل کرنے کی خواہش شدت اختیار کرنے لگی۔ "ٹھیک ہے، جولی!" اُس نے تصویر کی طرف مسکرا کر دیکھتے ہوئے کہا۔ "اگر اس ذرا سی ذلت کے بعد تم میرے قریب آ جاتی ہو تو مجھے یہ بھی منظور ہے۔"

تصویر الماری میں رکھ کر، وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا بیٹھا۔ چند لمحے اپنے خوبصورت بالوں کو دیکھنے اور غالباً انہیں الوداع کہنے میں گزار دیے پھر سیفٹی ریزر میں بلیڈ بدلنے لگا۔

سر کے بال صاف ہو گئے تو اس نے ایک مرتبہ آئینے میں اپنا جائزہ لیا۔ ایسا تو ایک دو بار پہلے بھی ہو چکا تھا لیکن دونوں ہی مرتبہ ایکسٹو نے بطور سزا اُسے گنجا کیا تھا اور اُسے کانوں کان خبر نہیں ہوئی تھی۔ بس، ہوش میں آ کر جو کھوپڑی ٹٹولی تو بال غائب پائے تھے۔ مونچھوں کو کاٹتے وقت بھی اُسے کوئی پریشانی نہیں ہوئی کیونکہ وہ بارہا ایسا کر چکا تھا۔ سیکرٹ سروس کے ممبروں کے کام کی نوعیت ہی ایسی تھی کہ مونچھوں کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ البتہ بھویں صاف کرتے وقت اُسے ضرور خفت محسوس ہوئی لیکن اُس نے دل کو بہلانے کے لیے کوئی نہ کوئی جواز پیدا کر ہی لیا، شاید اسی لیے بھوؤں پر بلیڈ پھیرتے وقت اُس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ رقص کرنے لگی تھی۔

بھوؤں سے نجات پانے کے بعد اُس نے قینچی سے پلکیں بھی کاٹ دیں۔ شیو وہ صبح ہی بنا چکا تھا۔ اب جو آئینے میں اپنی صورت دیکھی تو پہلی نگاہ میں وہ خود کو پہچان بھی نہ سکا۔ "چل بیٹا تنویر! ہو گیا، صفایا۔ تم بھی مجنوں بننے چلے تھے۔" وہ بڑبڑا کر مسکرایا اور اُٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔ ٹہلتے ٹہلتے وہ کبھی کبھی آئینے کے سامنے رُک کر اپنا جائزہ بھی لینے لگتا تھا... اس دوران میں اُسے دل لگی سوجھی کہ لاؤ، جولیا کو فون کر کے، ماضی کی تلخ گفتگو کا کچھ حساب ہی بے باق کر دیا جائے... پھر نمبر ڈائل کر کے اُسے احساس ہوا کہ جولیا پر اس وقت کیا گزر رہی ہو گی۔ وہ ہر بات پر زخمی شیرنی کی طرح غراتی رہی۔ وہ تو خیر ہوئی کہ بات فون پر ہو رہی تھی۔ اگر یہ گفتگو بالمشافہ ہوتی تو یقیناً اُس کے چہرے پر خراشیں ہی خراشیں نظر آ رہی ہوتیں۔ نہ جانے کیوں تنویر کو بھی جولیا کی بے بسی پر رحم آ گیا۔ اُس نے ریسیور رکھ دیا اور سوچ میں پڑ گیا۔ بار بار ایکسٹو کی خشک اور تحکمانہ گفتگو یاد آتی اور وہ بے چین ہو جاتا۔ اگر بات ایکسٹو کے حکم کی نہ ہوتی تو شاید وہ جولیا کو معاف کر کے صبر کا گھونٹ پی لیتا لیکن یہاں تو چیف کا دماغ ہی اُلٹ گیا تھا۔ شادی کرو اور وہ بھی مخصوص شرط پوری کر کے! ابھی وہ نہ جانے کہاں کہاں کے خیالوں میں اُلجھ رہا تھا کہ کمرہ گھنٹی کی آواز سے گونج اُٹھا۔ اُس نے جلدی سے ریسیور اُٹھا لیا لیکن گھنٹی مسلسل سنائی دیتی رہی۔ تنویر نے چونک کر ریسیور کی طرف دیکھا اور پھر بوکھلا کر ریسیور کریڈل پر پٹختا ہوا دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ کال بیل بج رہی تھی۔ دروازے کی طرف جاتے وقت اس کا پورا جسم کانپ رہا تھا۔ اُس نے دروازہ کھولا اور کئی قدم پیچھے ہٹ گیا... لیکن دروازے کے سامنے کھڑا عمران تو اُس پر

نگاہ پڑتے ہی اُلٹی قلابازی کھا کر کسی بازی گر کی طرح دوبارہ پیروں پر کھڑا ہو گیا تھا اور تنویر کو یوں دیکھ رہا تھا جیسے کسی دوسرے سیارے کی مخلوق سامنے کھڑی ہو۔

"تنویر صاحب ہیں؟" عمران نے کپکپاتی آواز میں پوچھا۔

"بھاگ جاؤ۔" تنویر ہذیانی لہجے میں چیخا۔

عمران کے چہرے پر لمحہ بھر کے لیے زلزلے کے آثار پیدا ہوئے اور پھر وہ سیدھا اندرونی کمرے کی طرف بھاگ اُٹھا۔ تنویر نے ایک دھماکے سے دروازہ بند کیا اور مٹھیاں بھینچ کر عمران کی طرف لپکا جو ایک صوفے پر اطمینان سے بیٹھ گیا تھا۔ "تم کیا کرنے آئے ہو؟" وہ قریب پہنچ کر دہاڑا۔

"یار! زیادہ مت چیخو۔ سر کے تمام بال اُڑ گئے لیکن تمھیں عقل نہیں آئی۔ ان دنوں تمھیں ایک سرپرست کی ضرورت ہے۔ مجھ سے اچھا اور جوان العمر سرپرست تمھیں کرائے پر بھی نہیں ملے گا۔"

"کیا بکتے ہو؟"

"شادی پیارے، شادی... میں نے سنا ہے، جولیا تم سے... لاحول ولا... تم سے شادی کرنے جا رہی ہے۔ ایسے میں بغیر سرپرستوں کا دُلہا کون پسند کرے گا، جبکہ میں نے سنا ہے کہ ایکسٹو نے جولیا کو اپنی پرسرتی... سوری، سرپرستی میں لے لیا ہے۔" عمران اطمینان سے منہ چلاتا ہوا بولا۔

تنویر اُسے قہر آلود نگاہوں سے گھورتا رہا۔ "تمھیں کیسے معلوم ہوا؟" اس نے پوچھا۔

"ہائیں... یعنی منڈا ہوا سر اور صاف و شفاف کھلیان جیسا چہرہ دیکھ کر بھی نہیں سمجھوں گا۔ ہائے، کیا چہرہ نکل آیا ہے، یوں محسوس ہوتا ہے، جیسے تم نے ابھی ابھی جنم لیا ہو۔"

"میں کہتا ہوں، بکواس بند کرو اور نکل جاؤ یہاں سے۔"

"ظاہر ہے، اب یہاں ہماری کیا گنجائش... تم جیسے 'ناخلف' دیہاں آتے ہی پچیس تیس سالہ اس نوجوان سرپرست کو باہر نہیں نکالیں گے تو اور کیا سر بالا بنائیں گے۔" عمران نے انگشتِ شہادت سے اپنا سینہ ٹھونکتے ہوئے کہا۔

"تم نے جولیا سے کیوں کہا تھا کہ میں افیون کھاتا ہوں؟"

"ہائیں... کیا چھوڑ دی؟"

"میں تمھارا سر توڑ دوں گا۔"

"اوہ... تم نے تو اس وقت بھی لگا رکھی ہے۔"

"تم سیدھی طرح یہاں سے چلے جاؤ۔ میرا موڈ اس وقت بہت خراب ہے۔" تنویر نے سنجیدگی سے کہا۔

"پھر کب آؤں؟" عمران نے اُٹھتے ہوئے پوچھا۔

"کوئی ضرورت نہیں۔ آخر تمھارا یہاں کیا کام؟"

"گھر کا سودا سلف ہی لا دیا کروں گا۔"

"کیا تم بکواس بند نہیں کر سکتے؟" تنویر جھلا کر اپنا ہاتھ کھوپڑی پر لے گیا۔ ممکن ہے، اس کا ارادہ اپنے بال نوچنے کا رہا ہو لیکن شومئی قسمت کہ میدان تو پہلے سے ہی صاف تھا۔ اس کے ہاتھ نیچے گر گئے لیکن آنکھیں غصے سے سرخ ہو گئیں۔

"ضرور بند کر سکتا ہوں لیکن صرف ایک شرط پر۔"

"وہ کیا...؟"

"یہی کہ تم ان مختصر حالات کا حال، تفصیل کے ساتھ میرے گوش گزار کر دو۔"

"کیسے حالات... کیسی تفصیل؟"

"یہی جولیا سے شادی وغیرہ کا چکر۔" عمران نے معنی خیز نظروں سے تنویر کو گھورتے ہوئے کہا۔

"اس کے لیے ایکسٹو سے رابطہ قائم کرو۔ یہ شادی اسی کے حکم سے ہو رہی ہے۔ بس، اب نکل جاؤ یہاں سے۔" تنویر نے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے غرّا کر کہا۔

"میں تفصیلات معلوم کیے بغیر نہیں جاؤں گا۔" عمران کے لہجے میں قطعیت تھی۔ تنویر بل کھا کر رہ گیا۔ چند لمحے وہ پھاڑ کھانے والی نگاہوں سے عمران کو گھورتا رہا پھر صوفے پر گر کر ہانپنے لگا... ایکسٹو کی کال کے بارے میں بتاتے ہوئے اس نے نہایت سنجیدہ لہجے میں کہا:

"بتاؤ، میں کیا کر سکتا ہوں؟ اس کے احکامات پورے نہ کرو تو اگلے روز خود کو کسی کوڑے دان میں پاؤ گے۔"

"ہوں... لیکن پیارے نومولود... ایکسٹو تو آج کل میں خود ہی داخل ہونے والا ہے... پھر تمھارا کیا بنے گا؟"

"کیا مطلب؟" تنویر نے حیرت سے آنکھیں پھیلائیں۔

"اُس کی کایا پلٹ ہو گئی ہے... پرسوں سے شہر کے تمام گنجوں کی بن آئی ہے۔ جسے دیکھو، کھوپڑی پر رومال باندھے چلا جا رہا ہے، جیسے ابھی ابھی حج سے واپس آ رہا ہو۔"

"میں تمھاری بکواس کا ایک لفظ بھی نہیں سمجھا۔"

"صفدر کی نگاہوں سے محفوظ رہے ہو نا... اسی لیے چہک رہے ہو۔ اُس کے متھے چڑھ جاتے تو عقلدان روشن ہو گیا ہوتا۔ ویسے تم نے ایکسٹو کے لہجے کی نقل اُتار کر جولیا کو خوب بے وقوف بنایا ہے، مانتا ہوں اُستاد!" عمران نے بائیں آنکھ دبا کر کہا۔

"کیا مطلب؟" تنویر غُرّا کر کھڑا ہو گیا۔ "تمہارا مطلب ہے! میں نے ایکسٹو کی آواز میں جولیا کو شادی پر مجبور کیا ہے۔"

"اور کیا... اور وہ اب تک ایکسٹو کو بُرا بھلا کہہ کہہ کر ذخیرہ الفاظ ختم کیے بیٹھی ہے۔ سُنا ہے لُغات سامنے رکھ کر نئے نئے کوسنے تیار کر رہی ہے۔ ایکسٹو یہاں کہاں ہے۔ شن پیر... سوری! تنویر بھائی!"

"کیا... کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ ایکسٹو نے ایسا کوئی حکم نہیں دیا؟"

"تم جانتے ہی ہو، ایکسٹو ایسے ویسے احکامات نہیں دیتا۔ یوں بھی وہ پچھلے کئی دنوں سے قطب شمالی میں اپنے سولہویں سُسر کے انتقال پُر ملال کے سلسلے میں گیا ہوا ہے۔"

"اوہ، یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے... نہیں، وہ کال ایکسٹو ہی کی تھی۔ میں اس آواز کو کس طرح بھول سکتا ہوں جس نے میری راتوں کی نیند اور دن کا سکون چھین رکھا ہے۔ تم بکواس کر رہے ہو۔" تنویر نے مشکوک نگاہوں سے عمران کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"مت مانو۔ ایکسٹو چند دنوں میں آیا ہی چاہتا ہے۔ اسی سے پُوچھ لینا۔ وہ تو شکر کرو، اُس کی ساس مرحومہ نے مجھے ٹیلی گرام دے دیا تھا کہ اسے چند دنوں کے لیے روک رہی ہوں، ورنہ اب تک تو میں خود اسی پر شبہ کیے بیٹھا تھا۔"

"تو کیا کل نہ جاؤں؟" تنویر نے بوکھلا کر پوچھا۔

"ارے بھائی عقل کے ناخن لو۔ اب تو خیر سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" عمران نے یہ کہہ کر تنویر کی گنجی کھوپڑی کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ انتظام جولیا کے سینڈل کے لیے کیا گیا ہے۔ آج کل اُس کے چاہنے والے سابقہ چاہنے والوں کو بڑی عجیب عجیب سزائیں دے رہے ہیں۔" عمران یہ کہہ کر اُٹھ کھڑا ہوا اور تنویر ہونقوں کی طرح اُس کی صورت دیکھتا رہ گیا۔

"اور ہاں، اِدھر آؤ... ایک پرائیویٹ بات بتاؤں لیکن خبردار کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔" عمران نے سرگوشی کی۔

"کیا...؟" تنویر اُس کی طرف جھک گیا۔

"بُرے عرصے سے ہاتھ نہیں آزمایا، پھر آج ہے بھی جمعرات۔" عمران نے سرگوشیانہ لہجہ برقرار رکھا۔ اس سے پیشتر کہ تنویر کچھ سمجھ پاتا، اُس کی کھوپڑی میں کہکشاں اُتر آئی۔ عمران نے کچھ ایسا ہی ہاتھ دکھایا تھا۔

تنویر کسی زخمی بھیڑیے کی طرح اُچھل کر اُس کے پیچھے لپکا لیکن عمران اُس وقت تک سیڑھیوں میں پہنچ چکا تھا... تنویر ایک جھٹکے سے دروازے ہی میں رُک گیا کیونکہ ایک پڑوسن بڑی دلچسپ نگاہوں سے اُسے گھور رہی تھی۔

صفدر نے ایک طویل سانس لی اور ٹیکسی کی عقبی نشست سے ٹیک لگا کر نیم دراز ہو گیا۔ پولیس مین جو اُس کے پہلو میں بیٹھا اُسے قہر آلود نگاہوں سے گھور رہا تھا، اُسے پُرسکون دیکھ کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

"کیا تم واقعی پاگل ہو؟" کچھ دیر بعد سپاہی نے صفدر کو ٹہوکا دے کر پوچھا۔

"نہیں..." صفدر نے اطمینان سے مُنہ چلا کر جواب دیا۔ "میں کشش ثقل کا فرزند ہوں... اور یہ میرا ٹریڈ مارک ہے۔" اس نے جُوتوں کے ہار کی طرف اشارہ کیا۔ "اگر تم بُرا نہ مانو تو دو گھڑی اسے پہن لو۔"

"خاموش بیٹھے رہو۔" سپاہی نے اُسے ہار اُتارتے دیکھ کر جھڑک دیا۔

"تم مجھے کہاں لے جا رہے ہو، وزیر اعظم؟"

"آپ کو داخل کروانے، عالم پناہ!" سپاہی بھی ترنگ میں آ گیا۔

"ہی... ہی... کیا کسی زچہ خانے میں؟" صفدر نے شرما کر اُنگلی مُنہ میں داب لی۔ سپاہی کے ساتھ ساتھ ٹیکسی ڈرائیور کی بھی ہنسی نکل گئی۔

"نہیں... ایک ایسے گھر جہاں تمہارا دماغ کشش ثقل سے آزاد ہو جائے گا۔" سپاہی نے قہقہہ لگا کر کہا۔

صفدر نے اُس سے بھی بلند اور ہذیانی قہقہہ لگایا۔ اُس کے قہقہے میں نہ جانے کون سا تاثر تھا کہ پولیس مین اور ٹیکسی ڈرائیور دونوں ہی کانپ گئے۔ صفدر اب مسلسل قہقہے لگا رہا تھا۔ ٹیکسی تیز رفتاری سے دارالحکومت کے پاگل خانے کی طرف جا رہی تھی۔

کچھ دیر بعد ٹیکسی ایک دھچکے سے رُک گئی تو صفدر نے کن انکھیوں سے سپاہی کی طرف دیکھا اور سوچنے لگا کہ کہیں پاگل خانے پہنچ کر وہ ایکسٹو کے کسی کام میں رخنہ تو نہیں ڈال رہا؟... پھر اُس کی نگاہوں میں وہ پُراسرار اور ہیبت ناک چہرے والا شخص گھوم گیا۔ اچانک اُسے یہ خیال پریشان کرنے لگا کہ وہ شخص اُس میں کیوں دلچسپی لے رہا تھا؟ کون تھا اور اس کا تعاقب کیوں کر رہا تھا؟ کہیں وہ ایکسٹو تو نہیں تھا؟ سوالات کی بھرمار تھی لیکن جواب ایک کا بھی نہیں سُوجھ رہا تھا۔

ٹیکسی ڈرائیور نے دروازہ کھولا اور صفدر کو نیچے اُتار کر اُسے

خانے کے آفس تک پہنچانے میں پولیس مین کی مدد کی۔ صفدر
بھی بے معنی گفتگو اور پاگلوں کی سی حرکتیں کر رہا تھا۔ اب تک
نے اپنا رول بڑی خوبی سے نبھایا تھا لیکن مزید کیا کرنا ہے،
کا اسے اندازہ نہیں تھا۔ وہ تو بس ایکسٹو کا حکم بجالانے کے لیے
کھڑا ہوا تھا۔ اب انجام کچھ بھی ہو۔ اگر پاگل خانے پہنچنا ایکسٹو
کی مصلحت کے خلاف ہوتا تو وہ واضح طور پر اسے تنبیہہ کر دیتا۔
نے اب تک پاگل پن کے مظاہرے میں مکمل آزادی سے رول
کیا تھا، اس لیے وہ مطمئن تھا... اور یہ خیال بس اچانک ہی اس
کے ذہن میں ابھرا تھا کہ ایکسٹو اسے پاگل خانے ہی پہنچانا چاہتا تھا
لیکن کیوں؟ اس کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

ضروری کارروائی اور کاغذی خانہ پری کے بعد صفدر کو اندر
پہنچا دیا گیا جہاں ایک سیاہ فام ہنٹر بردار شخص، اس کے سر پر مسلط
گیا۔ صفدر کو ایک ایسی بیرک میں پہنچا دیا گیا جہاں کم خطرناک
لوں کو رکھا گیا تھا۔ وہ بیرک میں پہنچا تو اس کا جی خوش ہو گیا۔
لمحے کے لیے تو وہ یہ بھول ہی گیا کہ وہ خود بھی پاگل ہے۔ بیرک
کے پاگلوں نے عجب سماں باندھ رکھا تھا۔ ایک جانب ایک گول
مٹول سا شخص سیاست پر گوہر افشانیاں کر رہا تھا۔ صفدر خاموشی
سے دیدے نچاتا ہوا ادھر بڑھ گیا... لگ بھگ بیس مخبوط الحواس
زمین پر آلتی پالتی مارے بیٹھے تھے اور وہ شخص مسلسل بکے جا
رہا تھا۔

"ہاں تو حضرات... میں آپ کے لیے سڑکیں بنواؤں گا۔ ہر
میں سڑک ہوگی۔ اتنی سڑکیں ہوں گی کہ عوام خوش حال ہو جائیں
لوگ سڑکوں پر سوئیں گے، بچے، سڑکوں پر روئیں گے، عورتیں
سڑکوں پر کپڑے دھوئیں گی۔ غرض کیا کیا وعدے کروں، آپ لوگوں
کا پیٹ ہی نہیں بھرتا۔ میں گھنٹے بھر سے وعدے کر کر کے یہ تک
گیا ہوں کہ آپ لوگوں سے کیا کیا وعدے کیے ہیں۔"

ایک پاگل نے بغلیں بجائیں، دو ایک نے تالیاں... اور
دیوانوں نے بھونکنا شروع کر دیا۔

پاگل سیاست دان ایک شخص کو مرغا بنا کر اس کی پیٹھ پر
گیا۔ "میں کرسی کا بھوکا نہیں ہوں۔" اس نے ہاتھ نچا کر کہا۔
کسی نہ کسی کو مرغا بنا کر اس پر بیٹھ لیا کروں گا۔ جیسا کہ آپ
لوگوں کو یاد ہوگا، میں نے پچھلے الیکشن میں بھی آپ لوگوں سے
وعدے کیے تھے۔ آپ لوگوں نے میری حوصلہ افزائی کرتے ہوئے
بھر بھر کے گندے انڈے، گلے سڑے آلو اور ٹماٹر مجھ پر پھینکے تھے...
آپ لوگوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ کیا آپ لوگ اس مرتبہ بھی مجھے
کامیاب کر کے، اپنے سر مصیبت مول لینا چاہتے ہیں؟"

"آپ تھک تو نہیں گئے، جناب؟" اس پاگل کی آواز سنائی
دی جو مرغا بنا ہوا تھا۔

"نہیں... میں کئی مہینے اسی طرح بیٹھ سکتا ہوں۔" سیاستدان
نے جواب دیا اور مرغا بنا ہوا پاگل سیدھا ہو گیا، پاگل سیاست دان منہ
کے بل زمین پر آ رہا۔

"یہ انتہائی نااہل اور ناکارہ لیڈر ہے، دوستو! اس کی اس طرح
بیٹھے رہنے کی عادت کرسیوں کے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے
اور آپ لوگ جانتے ہیں کرسیاں، قومی ملکیت ہوتی ہیں۔" مرغا بننے
والے نے اٹھ کر تقریر شروع کر دی۔

"ابے، تم تو کرسی تھے۔ کیا کرسیاں بھی بولتی ہیں؟" ایک آواز
سنائی دی۔

"نہیں، لیکن کرسیاں بولنے پر مجبور ضرور کر دیتی ہیں۔"

"مارو... عقلمندی کا مظاہرہ کر رہا ہے۔" ایک پاگل زور سے
چیخا۔ سب اٹھ کر اس کی طرف لپکے لیکن وہ پلک جھپکتے ہی دوبارہ
مرغا بن گیا۔ زمین پر پڑے ہوئے سیاست دان کے حواس ٹھکانے
آئے تو وہ لپک کر دوبارہ اس پر سوار ہو گیا۔ ہجوم اسی پر ٹوٹ پڑا...
گھونسوں اور لاتوں کا آزادانہ استعمال، گالیوں اور قہقہوں کا طوفان
اٹھ کھڑا ہوا۔ سب اسے مارتے اور جھنجوڑتے رہے۔

"رک جاؤ، ہٹ جاؤ، سب... میں کشش ثقل کا بیٹا ہوں۔"
صفدر دہاڑ کر میدان میں کود گیا۔ "میری رعایا میری موجودگی میں ایک
دوسرے سے لڑ رہی ہے، یہ میرے لیے ڈوب مرنے کا مقام ہے۔"

"کون سا مقام ہے، بھائی؟" ایک پاگل نے خوف زدہ
ہو کر ادھر ادھر دیکھا۔

"بڑے افسوس کا مقام ہے۔" دوسرا بولا۔

"کیا تم وہاں کے مقامی ہو؟" صفدر کا لہجہ خونخوار ہو گیا۔

"نہیں، میں دلی کا رہنے والا ہوں۔"

"وہاں تو بڑے بڑے مزار ہیں۔ سنا ہے نورجہاں نے اپنے کسی
چاہنے والے کے لیے تاج محل بھی بنوا رکھا ہے، وہاں... تمہارا گھر،
تاج محل سے کس طرف ہے؟" صفدر نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

"میں تاج محل ہی میں رہتا تھا، بھائی!"

"لیکن یہاں کس طرح آ نکلے؟"

"کیا بتاؤں؟ کرایہ بہت چڑھ گیا تھا، بس خالی کروا لیا...
مالکوں نے۔"

"اُتارو، سالے کا کرایہ... بہت چڑھ گیا ہے۔" ایک پاگل نے ہانک لگائی۔

لوگ اس گول مٹول لیڈر کو چھوڑ کر، تاج محل کے مکین پر چڑھ دوڑے۔ چند ہی لمحوں میں سارا کرایہ اُتار دیا گیا۔ جب ذرا سکون ہُوا تو لیڈر کی رگِ سیاست دوبارہ پھڑک اُٹھی۔ اس نے گونجیلی آواز میں سب کو مخاطب کیا۔ "اگر یہ علاقائی جھگڑے ختم ہو گئے ہوں تو ملک کا آئین بنانا شروع کروں۔ اب میرے پاس بالکل وقت نہیں ہے۔ تم میں سے ہے کوئی، جو میرے ساتھ الیکشن لڑنے پر آمادہ ہو؟"

"ہاں، میں لڑوں گا الیکشن!" ایک گرانڈیل دیوانہ اُچک کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے پہلوانوں کی طرح ران پر ہاتھ مارا اور دونوں میں فری اسٹائل شروع ہو گئی۔ وہ وہ پٹخنیاں دیں، انھوں نے ایک دوسرے کو کہ الیکشن لڑنے کا مزہ آ گیا... کچھ دیر بعد دونوں الگ ہو گئے پھر تیزی سے ایک دوسرے کی طرف لپکے، لگتے ہی لمحے وہ بھوں بھوں کرتے رو رہے تھے۔ لپٹ کر خوب آنسو بہائے اور پھر ایک اُچک کر کھڑا ہو گیا۔ "آپ نے دیکھا حضرات! میں الیکشن جیت چکا ہوں۔ اب یہاں میرا سکہ چلے گا۔" یہ کہہ کر وہ جیبیں ٹٹولنے لگا... پھر معنی خیز انداز میں بڑبڑایا۔ "پھوٹی کوڑی نہیں جیب میں۔ خیر آپ لوگ فی الحال ایک دوسرے سے اُدھار لے کر گزارہ کریں، میں کسی بڑی طاقت سے امداد مانگ لوں گا پھر آپ لوگ نہال ہوں گے۔ لگائیں نعرہ، نہال چندکی جے..."

کسی نے نعرے کا جواب نہیں دیا۔ سب خاموشی سے اُسے گھور رہے تھے۔ صفدر نے آگے بڑھ کر، اس کے گلے میں جوتوں کا ہار ڈال دیا۔ "یہ شخص الیکشن جیت گیا ہے، ساتھیو! اب کیا کرنا چاہیے؟" صفدر نے حاضرین کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ماریں سالے کو..." ایک نے آواز لگائی۔

"نہیں، اس کی ضرورت نہیں۔" صفدر ہاتھ اُٹھا کر غرّایا۔ "اگر ہم نے اسے مارا تو یہ بھی ہمیں مارے گا۔ کیوں بے صدرِ مملکت... مارے گا ہمیں؟" صفدر نے آنکھیں نکال کر دریافت کیا۔

"انشاءاللہ! جتنا کہو گے، ماروں گا۔" لیڈر نے پُرخلوص لہجے میں جواب دیا۔

"ٹھیک ہے، ساتھیو! یہ مناسب آدمی ہے بے چارہ مارنا بھی جانتا ہے۔" صفدر نے ہانک لگائی۔

"ابے، وہ میری کرسی کہاں گئی؟" صدرِ مملکت غرّایا۔

"میں یہاں ہوں، سرکار!" مرغا بننے والا چیخ کر بولا۔

"چل جلدی آ... دیکھتا نہیں، میں کھڑے کھڑے تھک گیا ہوں۔"

"میری کمر میں درد ہو رہا ہے۔" وہی آواز دوبارہ سنائی دی۔

"ٹھیک ہے، پیٹ کے بل لیٹ جا۔ چل جلدی آ۔" لیڈر نے دوبارہ ہانک لگائی اور وہ پاگل اُٹھ کر اُس کی طرف بڑھا قریب پہنچ کر، اُس نے لیڈر کو کندھے سے پکڑ کر نیچے جھکا لیا۔ لیڈر مُرغا بن گیا۔ وہ شخص اطمینان سے اس پر سوار ہو گیا اور خیالی نے مُنہ میں لے کر حُقّہ گڑگڑانے لگا۔ صفدر اس دوران میں ایک ایک کا جائزہ لے رہا تھا۔ اب تک اُسے ایک شخص بھی ایسا نہیں دکھائی دیا تھا جو بنا ہُوا پاگل رہا ہو۔ خود اپنے بارے میں اُسے کوئی خوش فہمی نہیں تھی۔

اچانک ایک پاگل نے گڑموں گوں کی آواز نکالی اور سب کے بیچوں بیچ کھڑا ہو کر ناچنے لگا۔ برابر میں بیٹھے ہوئے دو پاگل بنگّے کی طرح بھونک کر گویا اُسے خاموش رہنے کی تلقین کرنے لگے ابھی صفدر کی نگاہ دروازے کی طرف اُٹھ گئی جہاں ایک نوجوان حلق پھاڑ پھاڑ کر قہقہے لگاتا ہُوا اندر آ رہا تھا۔ گارڈز نے اُسے اندر دھکیل دیا ہو وہ قہقہے لگاتا ہُوا اُن کے قریب آ پہنچا۔ سب خاموشی اور حیرت کے ملے جُلے تاثرات کے ساتھ اُسے گھورنے لگے۔ جب اس کے قہقہوں کے تسلسل میں کمی یا بیشی واقع نہ ہُوئی تو ایک نے اُٹھ کر اُس کی ٹانگیں دبانا شروع کر دیں۔ نووارد ایک دم خاموش ہو گیا... پھر وہ گلوگیر لہجے میں، ٹانگیں دبانے والے سے گویا ہُوا۔ "کیوں بھائی! تمھارے ہاتھوں میں کیا تکلیف ہے؟ کیوں میری ٹانگیں دبائے چلے جا رہے ہو؟"

"تھک گئے ہو گے، برادرم! قہقہوں کا ٹانگوں پر بہت بُرا اثر پڑتا ہے۔"

"ہائیں... کیا تمھاری اپنی ٹانگیں نہیں ہیں؟"

"ہیں... لیکن انھیں ایک آدمی شہر لے گیا ہے۔" صفدر نے ایک بے ساختہ قہقہہ ہضم کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ مجبوراً اس نے لیڈر کی پُشت پر سوار خیالی حقّہ گڑگڑانے والے سے دو دَم کش اُدھار مانگنا شروع کر دیے۔

"دیکھو، بھائی! یہ سیاست کا اکھاڑہ ہے یہاں اپنا حقّہ سنبھال کر رکھا کرو۔ اب بتاؤ، میں غلط فہمی میں اتنی دیر سے تمھارا حقّہ پیے جا رہا ہُوں۔ اِدھر میرا حقّہ، جانے کوئی پانی بدلنے کے لیے لے گیا ہو..." اس نے حقّے کی نے صفدر کی طرف بڑھائی۔ صفدر نے حقّہ گڑگڑانا شروع کر دیا تھا۔

لیڈر مستقل مُرغا بنا ہُوا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ بھرّائی ہُوئی آواز میں بولا۔ "میں تھک گیا ہوں۔ مجھے بتاؤ کہ میں سیدھا ہو جاؤں؟"

"ہائیں..." نووارد اُچھل کر اُس کے قریب آ پہنچا۔ "ابے! تم،

"میری بھینس کا دودھ کیوں پی رہے ہو؟"

"میں حقہ پی رہا ہوں۔" صفدر نے غرا کر جواب دیا۔

"بکواس مت کرو۔ تم میری بھینس کا دودھ پی گئے ہو۔" نووارد نم غانے ہوئے لیڈر کی کمر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"ناممکن..." صفدر نے ہاتھ نچایا۔ "میں حقہ پی رہا ہوں۔"

"خاموش رہو۔ بھینس میں ہوں یا تم؟" لیڈر ایک دم کھڑا ہو گیا اور گھور گھور کر نووارد پاگل کو دیکھنے لگا۔

"ٹھیک ہے، بھائی! لیکن لاٹھی تو میری ہے۔" نووارد نے پچکار کر سمجھانے کی کوشش کی۔

"ہاں... پھر تو میں تمہاری بھینس ہوں۔" لیڈر نے مردہ سے لہجے میں کہا اور دوبارہ مرغا بن گیا۔ نووارد نے صفدر کے قریب ہی جگہ بنائی اور بیٹھ گیا۔ چند لمحے غور و فکر میں غوطہ زن رہنے کے بعد صفدر نے اس سے دریافت کیا۔ "کیوں بھائی! میرا نام کیا ہے؟"

"معلوم نہیں بیٹے! اپنی ممی سے پوچھ لو۔"

"ممی کہاں ہیں؟" صفدر نے ٹھنک کر انگوٹھا منہ میں لے لیا۔

"ہائیں، پھر پی رہا ہے، دودھ... لوگو! میں لٹ گیا۔ سارا دودھ پی گیا۔ اب میں کیا کروں!" نووارد سر پیٹ پیٹ کر رونے اور چلانے لگا۔ کچھ پاگل اس کے گرد جمع ہو گئے اور افسوس کا اظہار کرنے لگے۔

"واقعی بے چارہ بالکل بے سہارا ہو گیا ہے۔ کتنے مہینے کا تھا...؟" ایک نے نووارد کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔

"مت پوچھو، بھائی! میرا دل جل رہا ہے... دل جلتا ہے تو جلنے دے... فریاد نہ کر... جلتا ہے... جلتا ہے تو جلنے دے... فائر بریگیڈ... ہیلو... ہیلو... جی ہاں میں ہی بول رہا ہوں۔ میں نے سنا ہے، کہیں آگ لگ گئی ہے۔ جی، بہت اچھا... میں ابھی چند ساتھیوں کو لے کر آتا ہوں۔" نووارد نے زور سے ہاتھ نیچے پھینکا جیسے ریسیور رکھ رہا ہو پھر وہ صفدر کو گھورنے لگا۔

صفدر اس پاگل میں دلچسپی لینے لگا، جو اب تک اس کے قریب ہی رہا تھا اور اب تو مستقل اس سے چپک گیا تھا۔ "میں نے اپنا نام دریافت کیا تھا، صاحبزادے!" صفدر نے اسے ٹہوکا دیا۔

وہ اچھل کر صفدر کے قریب سرک آیا۔ "کیا کرو گے، پوچھ کر؟ ویسے ایم۔ ایس۔ سی۔ پی۔ ایچ۔ ڈی آکسن دکھائی دیتے ہو۔" نووارد نے کہا اور صفدر اچھل پڑا۔

"عمران صاحب..."

"ہاں بیٹے! اب پہچانا... کہو، کیسی گزر رہی ہے؟" اس مرتبہ عمران نے اپنی اصلی آواز میں کہا۔ صفدر نے اس کے ہونٹوں پر بڑی ہی شریر مسکراہٹ مچلتے دیکھی تو خود بھی مسکرانے لگا۔

"ذرا میرے پیچھے آؤ، پیارے!" عمران نے دبے دبے لہجے میں کہا اور ایک خالی کونے کی طرف بڑھ گیا۔ صفدر نے پہلے تو حیرت سے اسے دیکھا پھر اس کونے کی طرف بڑھ گیا جہاں عمران سر کے بل کھڑا ہو کر تین کا پہاڑہ پڑھنے لگا تھا۔ "فرمائیے، عمران صاحب؟" صفدر اس طرح فرش پر لیٹ گیا کہ عمران کا چہرہ، اس کے بالکل قریب ہو گیا۔

"کیا فرماؤں...؟ فرماتے فرماتے تو یہاں تک آ پہنچا ہوں اور نہ جانے کہاں تک جانا پڑے۔" عمران نے ہانک لگائی۔

"میرا ذہن بہت ہی الجھا ہوا ہے، عمران صاحب! خدا کے لیے بتائیے، یہ سب کیا اسرار ہے؟" صفدر نے استدعا کی... نہ جانے یہ حالات کی نزاکت کا احساس تھا یا عمران کو صفدر پر رحم آ گیا تھا کہ وہ ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔

"ٹھیک ہے، اب تک کے تمام حالات اتنی تفصیل سے سناؤ کہ میرا قبض ٹوٹ جائے۔"

"حالات..." صفدر حیرت سے بڑبڑایا۔ "مجھے حالات کا کیا پتہ، عمران صاحب؟"

"ہائیں... یعنی سچ مچ ہی اتھر ہو گیا ہے۔" عمران نے فرش سے ایک ہاتھ اٹھا کر صفدر کی کھوپڑی ٹٹولی اور دوسرے ہاتھ کے سہارے بدستور سر کے بل کھڑا رہا۔

"آپ کن حالات کا تذکرہ کر رہے ہیں؟"

"انہی حالات کا، جن کی بدولت تم یہاں پہنچے ہو۔"

"کیا آپ کو معلوم نہیں کہ میں ایکسٹو کے ایما پر یہاں پہنچا ہوں۔" صفدر بولا۔

"کیوں جھوٹ بولتے ہو، یار... وہ بے چارہ تو پتنگیں اڑانے کے جرم میں ویت نام کے محاذ پر بھیجا جا چکا ہے۔ سچ سچ بتاؤ، کیا معاملہ ہے؟"

"نہ جانے، کیا بات ہے مجھے اب تک یقین نہیں آ رہا کہ یہ حکم خود ایکسٹو ہی نے مجھے دیا ہوگا۔ میں اب تک مسلسل سوچ رہا ہوں۔"

عمران خاموش رہا۔

صفدر کچھ دیر غور کرنے کے بعد شروع سے ایک ایک بات، تفصیل سے عمران کو سنانے لگا۔ اس نے ایکسٹو کی پراسرار کال اور اس احمقانہ حکم کا تذکرہ کرنے کے بعد اپنی دیوانگی کے چند کارناموں

کا تذکرہ بھی کیا اور پھر اس کا ذہن اس کریہہ الشکل شخص کی طرف بھٹک گیا۔ "میں نے اس بدصورت شخص کو مسلسل اپنے تعاقب میں پایا تھا۔۔ جب پولیس مین نے مجھے باندھ کر ٹیکسی میں ڈال دیا تو میں نے بطورِ خاص اس کی تلاش میں چاروں طرف دیکھا لیکن وہ کہیں دکھائی نہیں دیا۔"

"کیا اُس نے تم سے کوئی بات بھی کی تھی؟"

"نہیں۔۔۔ خود میں نے ہی اُسے چھیڑنے کی کوشش کی تھی۔"

صفدر نے یہ کہہ کر، اس کریہہ الشکل شخص سے اپنی بات چیت اور پھر اس کے جمائے ہُوئے ہاتھ کا تذکرہ کیا، جس کی دھمک ابھی تک اُس کی کھوپڑی میں موجود تھی۔

"ہُوں۔۔۔" عمران نے پُرخیال انداز میں ہنکارا بھرا۔۔ اور مُنہ چلانے لگا۔

"لیکن عمران صاحب! یہ معاملہ کیا ہے؟" صفدر نے اُلجھ کر دریافت کیا۔

"کیا بتاؤں، یار! یہ ایکسٹو خود تو ٹُنڈا ہے، دوسروں کو ہر وقت ستاتے رہنا، اس کا محبوب مشغلہ ہے۔ اب دیکھو! پہلے تو تمہیں یہاں پہنچایا، بعد میں مجھے بھیج دیا کہ پاگل بن کر پاگل خانے پہنچو اور صفدر علی دیوانہ کو رہا کرواؤ۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" صفدر حیرت سے بولا۔

"یہاں کا ماحول سمجھنے سمجھانے کے لیے ویسے بھی موزوں نہیں۔ باہر نکل کر خود ہی سمجھ جاؤ گے۔"

"لیکن مجھے رہا کروانا مقصود تھا تو یہاں بھیجنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟" صفدر کے لہجے میں اب بھی حیرت تھی۔

"تمہیں کیا معلوم، ڈیئر! کہ تم ایک عظیم الشان گنج کو نظر انداز کر کے یہاں آ پہنچے ہو۔" عمران نے سیدھے ہوتے ہُوئے کہا۔۔ اور صفدر، عمران کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

"آپ سے باتوں میں بھلا کون جیت سکتا ہے۔" صفدر نے بُرا سا مُنہ بنایا۔

"میرا مطلب، تنویر خان بہادر سے ہے، پیارے! ایکسٹو نے تمہیں چپتیں مارنے کا فرض صرف اس لیے سونپا تھا کہ تم تنویر کی حق تلفی نہیں کرو گے۔" عمران نے اس کے بعد تفصیل سے جولیا اور تنویر کی شادی کا تذکرہ کیا اور اپنی دائیں ٹانگ پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ کچھ دیر بعد، اُس کے ہاتھ میں، ران کے نچلے حصّے کی نرم اور قدرے اُبھری ہُوئی کھال آ گئی اُس نے دائیں بائیں دیکھ کر، کھال کو چٹکی میں پکڑ کر کھینچنا شروع کر دیا۔ ذرا سی زور آزمائی سے کھال یوں اُدھڑتی چلی گئی جیسے اُبلے ہُوئے آلو سے چھلکا اُتر جاتا ہے۔ صفدر حیرت سے عمران کی اس حرکت کو دیکھنے لگا۔ کھال اُدھڑ گئی تو ران کے نیچے سے ایک گھڑی گر گئی۔ عمران نے گھڑی اُٹھائی اور وقت دیکھنے لگا۔

شام کے سات بج رہے تھے۔ باہر خاصا اندھیرا دکھائی دے رہا تھا لیکن ہال میں جیسے دن چڑھا ہُوا تھا۔ وہاں تیز روشنی کے تین بلب روشن تھے۔ عمران نے صفدر کو اُٹھنے کا اشارہ کیا۔ صفدر جلدی سے اُٹھ بیٹھا۔ اگلے ہی لمحے عمران نے دونوں ہاتھ، اُس کے کندھے پر رکھے۔۔۔ اور دونوں یوں سر جوڑ کر بیٹھ گئے جیسے ابھی کچھ دیر بعد بین کرنے لگیں گے۔ عمران نے دائیں ہاتھ سے گھڑی کی چابی کو باہر کھینچا اور بڑبڑانے لگا۔ "آئی کالنگ۔۔۔ آئی کالنگ، جوزف! آئی کالنگ۔۔۔"

"جوزف دِس سائیڈ، باس! ہاؤ ڈُو یُو ہیئر می۔۔۔ اوور۔"

"کلیئر۔۔۔ پوزیشن۔۔۔ اوور۔۔۔"

"آل رائٹ، سر۔ آئی ایم الرٹ۔"

"ہُوں۔۔۔ آس پاس کوئی مشکوک آدمی تو دکھائی نہیں دے رہا؟" عمران نے پوچھا۔

"نو، باس! میری آنکھیں اس وقت حیرت انگیز طور پر روشن ہیں میں اب تک چار دیواری کے تین راؤنڈ لگا چکا ہُوں۔"

"کھوپڑی بھی سنبھال کر رکھنا۔ کہیں مجھے روشن نہ کرنی پڑے۔"

"ڈونٹ وری، باس!" جوزف کا مدھم سا قہقہہ سنائی دیا۔

"وقت کا خیال رکھنا۔ ہم نکل رہے ہیں۔" عمران نے یہ کہہ کر چابی دوبارہ دھکیل دی اور صفدر سے لپٹ کر بلند آواز میں رونے لگا۔۔۔ صفدر نے بھی اُس کا ساتھ دیا اور دونوں کی آوازوں سے پُورا ہال گونج اُٹھا۔

اگلے ہی لمحے کچھ پاگل، اُن کی طرف لپکے۔ "کیوں، بھائیو۔۔۔ آپ دونوں الگ بیٹھے کیا مشورہ کر رہے ہیں؟"

"رو رہے ہیں، بھائی! سنا ہے، رونا صحت کے لیے بہت مفید ہوتا ہے۔" عمران نے چھلکتی ہُوئی آنکھیں اٹھائیں۔ اُس کی آنکھوں سے آنسوؤں کے دھارے بہہ بہہ کر گالوں سے ٹھوڑی پر اور پھر نیچے گر رہے تھے۔ کچھ یہی حال صفدر کا بھی تھا۔

"کیا تم ڈاکٹر ہو؟" ایک نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں، پیارے بھائی! میں جانوروں کا ڈاکٹر ہُوں۔"

"اوہ۔۔۔ پھر میری کھوپڑی کا معائنہ کرو۔" وہی پاگل عمران کے سامنے بیٹھ گیا۔

عمران فوراً اُس کے سر پر جھک گیا اور اُس کے بالوں میں اُنگلیاں چلانے لگا۔ چند لمحے یہ عمل جاری رہا پھر اُس نے تشویش سے کہا۔۔۔

تمہارے سر میں جوئیں ہیں۔ تم صبح شام، نہار منہ سر کے بل کھڑے ہوا کرو، اس سے تمام جوئیں جھڑ جائیں گی پھر کسی پڑوسن کو محبت پاش نظروں سے دیکھنا۔ انشاءاللہ، اُس کا سینڈل رہی سہی جوؤں کے قتلِ عام کے لیے مفید ثابت ہوگا۔"

"غلط... بالکل غلط..." وہ شخص چلا اٹھا۔

"کیوں...؟ اس نسخے میں تمھیں کیا بُرائی دکھائی دیتی ہے؟"

"پچھلے سال، میں نے اپنی پڑوسن کو دیکھا تھا تو اُس نے سینڈل اُتار لیا اس طرح میرے تین سینگ جھڑ گئے... اور اُس کے سینڈل میں جو کھٹمل تھے، وہ الگ میرے سر میں گھونسلے بنا کر رہ رہے ہیں۔"

"ہائیں..." عمران نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔ "کیا تم انکم ٹیکس ادا کرتے ہو؟"

"کیوں...؟" وہ شخص دیدے نچا کر بولا۔

"کرایہ تو وصول کرتے ہو گے؟ فی گھونسلہ کیا مل جاتا ہے؟"

دیوانہ بے ساختہ ہنس پڑا اور پھر ہذیانی قہقہے لگانے لگا۔ دوسرے جو اس وقت تک خاموش کھڑے ہوئے تھے، اُس کے گرد ناچنے لگے۔

عمران نے کھوپڑی پر ہاتھ پھیر کر صفدر کی طرف دیکھا۔ "یہاں کی آب و ہوا تو آپ کو خوب راس آئی ہوگی؟" صفدر نے سرگوشی کی۔

"اپنے بھائی بندوں میں کون خوش نہیں رہتا۔" عمران نے یہ کہہ کر اتنا زبردست قہقہہ لگایا کہ تین پاگل گھبرا کر ککڑوں کوں کی آوازیں نکالنے لگے اور باقی چونک چونک کر اُن کو صبر کی تلقین فرمانے لگے۔

صفدر کی کھوپڑی ناچ کر رہ گئی۔ عمران واقعی حیرت انگیز صلاحیتوں کا مالک تھا۔ ہر ملاقات میں اُس کا ایک نیا ہی رنگ سامنے آتا تھا۔ آج اُس نے اپنی دیوانگی کا مظاہرہ کر کے صفدر کو یقین دلا دیا کہ وہ اس میدان میں بھی کسی سے پیچھے نہیں ہے۔ "کیوں بھائی! تمھاری دُم کیا ہوئی؟" ناچتے ناچتے ایک پاگل، عمران کی پیٹھ ٹٹولنے لگا۔ صفدر چونک کر اُدھر متوجہ ہوگیا۔

"پچھلے سال نمونیہ ہوگیا تھا، پیارے! ڈاکٹر نے بطور یرغمال رکھ لی ہے۔ میں نے ابھی تک اُس کی فیس ادا نہیں کی۔"

"میں تم پر مقدمہ کردوں گا۔" وہ شخص حلق کے بل دہاڑا۔

"میں تمھارے پاؤں پڑ جاؤں گا۔" عمران نے بھی اسی لہجے میں چلا کر جواب دیا۔

"خبردار! میرے قریب بھی مت آنا۔" وہ شخص اچانک ہی خوف زدہ ہو کر پیچھے ہٹ گیا لیکن عمران کی پیش قدمی جاری رہی۔ "اس پاگل سے مجھے بچاؤ۔ یہ میرے پاؤں پڑنا چاہتا ہے، میرے جوتے خراب ہو جائیں گے۔" پاگل آگے آگے بھاگ نکلا لیکن عمران نے اُس کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ وہ حلق پھاڑ پھاڑ کر، اُس کے پاؤں پڑنے کی دھمکی دے رہا تھا اور مسلسل اُس کا پیچھا کر رہا تھا۔ آخر ہال کے دوسرے کونے میں وہ پاگل، ایک اُونگھتے ہوئے بُڈھے سے ٹکرا کر گر پڑا۔

اُونگھتا ہوا پاگل چونک کر عمران کی طرف دیکھنے لگا پھر اُس نے دانت نکال کر عمران کی طرف بانہیں پھیلا دیں۔ "آؤ، آؤ... میری جان! میں اب کبھی تم کو طلاق نہیں دوں گا، میں تمھیں دل میں چھپا کر رکھوں گا۔ دل میں چھپا کر پیار کا طوفان لے چلے... لے چلے طوفان... آندھی اور طوفان لے چلے... بارش... اُف، بارش ہو رہی ہے۔ بھائی! ذرا اپنی چھتری دینا۔" اُس نے بُری طرح کانپتے ہوئے عمران کی قمیص آنا شروع کردی۔ عمران اُس کی کھوپڑی پر طبلہ بجانے لگا۔

"کیوں بھائی! بارش رُک گئی یا نہیں؟" عمران نے ایک زوردار ہاتھ آزما کر دریافت کیا۔ اس شخص نے کراہ کر عمران کی طرف دیکھا۔

"بارش تو رُک گئی ہے لیکن اولے پڑنے لگے ہیں۔" وہ بولا۔

عمران کی طبیعت صاف ہوگئی۔ خوب مقابلے کا آدمی سامنے آیا تھا۔ اس کی زبان بھی بُری طرح کھجلانے لگی۔ اگلے ہی لمحے... وہ محکمۂ موسمیات کی کارکردگی پر بحث کرنے لگا۔ پاگل نے حیرت سے عمران کی طرف دیکھا اور سرگوشی کی۔ "ذرا کان اِدھر لانا۔"

"کیوں؟ کیا تمھارے اپنے کان نہیں ہیں؟ اُنہی سے کام چلاؤ۔"

"ایک خاص بات ہے لیکن کسی سے تذکرہ مت کرنا۔"

"اچھا..." عمران نے پُرخلوص لہجے میں کہا اور کان اُس شخص کے مُنہ کے قریب لے گیا اور پھر بوکھلا کر سیدھا کھڑا ہوگیا۔ اُس آدمی نے پُوری قوت سے حلق پھاڑ کر کسی پھٹے ہوئے بِگل کی آواز نکالی تھی۔ عمران سیدھا ہو کر کان جھاڑنے لگا۔

"کسی سے کہو گے تو نہیں؟" اس شخص کے لہجے میں التجا تھی۔

"نہیں... لیکن ایک بات تم بھی میری سُن لو تو نوازش ہوگی۔ عرضی علی عمران ایم۔ ایس۔ سی۔ پی۔ ایچ۔ ڈی..." عمران نے اُس کا کان پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔

"نہیں، نہیں... میں نہیں سُنوں گا۔ تم میرا کان پار کر لو گے۔ میں کچھ نہیں سُنوں گا۔" وہ حلق پھاڑ پھاڑ کر چلانے لگا۔

عمران نے اُس کا کان چھوڑ دیا اور برابر میں بیٹھے ہوئے ایک پاگل کا ہاتھ پکڑ کر، اُس دیوانے کے سر پر رکھ دیا پھر خود اِدھر اُدھر متلاشی نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ اچانک اُس کی نگاہ صفدر پر پڑی جو آگے آگے بھاگ رہا تھا اور تین پاگل اُس کے تعاقب میں دوڑ رہے تھے۔ عمران نے ایک بے ساختہ قہقہہ بمشکل ضبط کیا اور جلدی سے اُن تین پاگلوں کو روک کر کھڑا ہوگیا۔ "کیا بات ہے؟" ایک نے چیخ کر پوچھا۔

"تم جانتے ہو، یہاں شکار کھیلنا منع ہے۔"

"اچھا... مجھے معلوم نہیں تھا، بھائی!" اس شخص نے گھگیا کر جواب دیا اور اپنے ساتھیوں کو لے کر دوسری طرف مڑ گیا۔

عمران نے آستین سرکا کر اپنی گھڑی پر وقت دیکھا اور پھر صفدر کی طرف دیکھنے لگا جو دیوار سے ٹیک لگائے ہانپ رہا تھا۔



جوزف نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ پونے آٹھ بج رہے تھے۔ اس نے ایک طویل سانس لی اور جیکٹ کی جیب سے ایک شیشی نکال کر اس کا ڈھکنا کھولنے لگا۔ شیشی میں نصف پیگ برانڈی تھی۔ اس نے برانڈی حلق میں انڈیلی اور منہ چلانے لگا۔ شیشی کو اسٹیئرنگ کے بائیں طرف ایک خانے میں ڈال کر اس نے دونوں ہاتھ، اس طرح اسٹیئرنگ پر رکھ لیے کہ گھڑی نگاہوں کے سامنے ہی رہے۔ سیکنڈ کی سوئی تیزی سے اپنے محور پر گھومتی رہی اور وقت گزرتا رہا۔ وہ اس وقت دارالحکومت کے پاگل خانے کی عمارت کے قریب والی ایک سڑک پر اپنی سیاہ ویگن میں بیٹھا ہوا تھا۔ جیسے ہی پانچ منٹ گزرے، اس نے ویگن اسٹارٹ کر دی اور آگے بڑھ گیا۔ کچھ آگے جا کر اس نے ویگن دائیں طرف موڑ دی۔ اس کی نگاہیں تیزی سے دائیں بائیں جائزہ لے رہی تھیں، ویگن کی رفتار بہت ہی دھیمی تھی۔ وہ یکساں رفتار سے گھومتا ہوا دوبارہ اسی جگہ آ پہنچا، جہاں سے چلا تھا۔

عمارت کا راؤنڈ لگا کر وہ ٹھیک دس منٹ میں واپس آیا تھا۔ اس دوران میں اس نے تفصیل سے جائزہ لیا تھا لیکن کوئی مشکوک شخص دکھائی نہیں دیا تھا۔ اگرچہ اس کے چہرے پر اطمینان کی جھلک تھی لیکن ذہن میں نہ جانے کیوں بار بار خطرے کی گھنٹی بجنے لگتی تھی۔ غالباً یہ چھٹی حس ہی کا کرشمہ تھا کہ وہ کسی انجانے خطرے کی بو محسوس کر رہا تھا۔ اس کے حواس پوری طرح بیدار تھے اور آنکھیں چوکس تھیں۔ گھڑی پر وقت دیکھا، ٹھیک آٹھ بج رہے تھے... سردیوں کی رات تھی۔ آٹھ بجے ہی سناٹا ہو گیا تھا... پھر پاگل خانے کی عمارت کے گرد پھیلی ہوئی سڑکوں پر نہ جانے اس رات کیوں اندھیرا تھا۔ جوزف کی نگاہیں عمارت کی بیرونی فصیل پر جم گئیں۔

جیسے ہی آٹھ بجے فصیل پر ایک سایہ دکھائی دیا۔ جوزف کے لبوں پر پراسرار سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔ اس نے اگنیشن میں لگی ہوئی چابی گھمائی اور ویگن جھرجھرا کر اسٹارٹ ہو گئی۔ جوزف کی نگاہیں منڈیر پر جمی ہوئی تھیں، جہاں اب دو سائے دکھائی دے رہے تھے۔ وہ سختی سے ہونٹ بھینچے ادھر ہی متوجہ تھا۔ اس کی آنکھوں میں بے پناہ چمک تھی، جیسے وہ کوئی دلچسپ کھیل دیکھ رہا ہو۔

اچانک اس نے ایک سائے کو نیچے کودتے دیکھا۔ اس کے بعد دوسرا بھی کود گیا۔ عین اسی وقت جوزف نے گاڑی گیئر میں ڈال کر بتیاں روشن کر دیں... لیکن یہ کیسی سرسراہٹ تھی؟... وہ بری طرح چونک پڑا۔ ایک سیکنڈ کے دسویں حصے میں اس نے گاڑی نیوٹرل کر کے بتیاں بجھا دیں اور کان لگا کر اس سرسراہٹ کو سننے لگا۔ ابھی وہ دروازہ کھول کر نیچے اترنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ اس کی کھوپڑی پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ کسی نے ریوالور کا دستہ پوری قوت سے اس کی کھوپڑی کے عقبی حصے پر دے مارا تھا... جوزف کے حلق سے ہلکی سی غراہٹ نکلی اور وہ دنیا و مافیہا سے غافل ہو گیا۔ ریوالور کے دستے نے چودہ طبق روشن کر دیے تھے۔ اسی لمحے نہ جانے کہاں سے ایک پراسرار سایہ فرنٹ سیٹ کی طرف رینگ آیا۔ اس نے جوزف کو نیچے کھینچ لیا اور جوزف کا بے ہوش جسم اس پراسرار سائے کے کندھے پر پہنچ گیا۔ جوزف کو اٹھا کر وہ شخص تیزی سے دائیں طرف سڑک کے کنارے لگے ہوئے ایک موٹے سے تنے والے درخت کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے جوزف کو درخت کی اوٹ میں لٹا دیا اور تیز رفتاری سے واپس ویگن کی طرف بڑھ گیا۔ چند ہی لمحے بعد وہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے جوزف جیسی خاکی یونیفارم پہن رکھی تھی۔ منہ سے شراب کے بھبکے نکل رہے تھے۔ وہ بالکل جوزف ہی کے انداز میں گاڑی گیئر میں ڈالے دیوار کے اس حصے کی طرف دیکھنے لگا، جہاں دو سائے تیزی سے بھاگتے ہوئے گاڑی کی طرف آ رہے تھے۔ غالباً انھوں نے گاڑی کی پوزیشن دیکھ لی تھی۔ جوزف نے کچھ دیر پہلے ہیڈ لائٹس روشن کر کے انھیں اشارہ دے دیا تھا یا پھر ممکن ہے، سیاہ ویگن طے شدہ جگہ پر کھڑی ہوئی ہو۔

دونوں سائے بھاگتے ہوئے سڑک پر آ گئے۔

پراسرار شخص نے ہیڈ لائٹس روشن کر دیں۔ بریک سے پیر ہٹا کر اس نے ایکسیلیٹر پر بوجھ ڈال دیا۔ گاڑی چونکہ گیئر میں تھی، اس لیے ایکسیلیٹر پر بوجھ پڑتے ہی کمان سے نکلے ہوئے تیر کی طرح آگے بڑھ گئی۔ ہیڈ لائٹس کی روشنی میں دو انتہائی مفلوک الحال آدمی دکھائی دیئے ان کے جسموں پر چیتھڑے جھول رہے تھے۔ وہ انتہائی تیز رفتاری سے سڑک کے درمیان گاڑی کی طرف بھاگ رہے تھے... ادھر ویگن بھی غالباً ساٹھ میل کی رفتار سے ان کی طرف بڑھ رہی تھی۔

بھاگنے والے دونوں شخص عمران اور صفدر ہی تھے۔ عمران نے جب ویگن کو تیزی سے اپنی طرف آتے دیکھا تو اس کے ذہن میں خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگیں۔ "صفدر سنبھلو... شاید کالیا نشے میں ہے۔"

عمران کے چیخنے سے قبل ہی صفدر گاڑی کی تیز رفتاری پر متعجب تھا۔ اسے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ ویگن کی سیٹ پر جو کوئی بھی موجود ہے، اس کے ارادے انتہائی خطرناک ہیں... ادھر عمران نے صفدر کو دائیں طرف دھکا دیا اور خود کسی طاقت ور اسپرنگ کی طرح اچھل کر بائیں طرف چھلانگ لگا دی۔ عین اسی وقت رات کے سناٹے میں ویگن کے پہیوں کے سڑک سے رگڑ کھانے کی آوازیں، خوفناک چیخوں کی طرح سنائی دیں اور فضا ان آوازوں سے کانپ گئی۔

پراسرار شخص نے پوری قوت سے بریک لگائے تھے۔ نتیجتاً تیز رفتار ویگن سڑک پر بالکل اس طرح لہرائی تھی، جیسے کسی بڑی موج کے آتے ہی کشتی ڈولنے لگتی ہے۔ ویگن کچھ دور تک چیختی ہوئی سڑک پر پھسلتی رہی پھر ٹائروں نے سڑک پکڑ لی۔ ویگن رک گئی اور اچانک اس کی بتیاں بھی بجھ گئیں... پھر وہ پراسرار شخص آہستگی سے دروازہ کھول کر بائیں طرف اتر گیا۔ اگلے ہی لمحے اس نے خود کو سڑک پر گرا لیا اور رینگتا ہوا سڑک کے کنارے، ایک درخت کی طرف بڑھنے لگا۔ جلد ہی وہ درخت کی اوٹ میں چھپ گیا... اس نے اپنی جیب سے ریوالور نکال لیا۔ اس کی نگاہیں تیزی سے ادھر ادھر چکرا رہی تھیں۔

عمران نے سڑک کے کنارے گرتے وقت یہ کوشش کی کہ اس کا سر زمین سے نہ ٹکرانے پائے۔ وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب رہا۔ کندھے کے بل گرتے ہی اس نے دو تین لڑھکنیاں کھائیں اور سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اس نے پہلے سڑک کی مخالف سمت میں مڑ کر دیکھا، جہاں ایک ہیولا دکھائی دیا جو یقیناً صفدر ہی تھا۔ صفدر لپک کر، سڑک پار کرتا ہوا، عمران کے قریب پہنچ گیا۔ "یہ کیا ہو رہا ہے، عمران صاحب؟"

"کالیا ان دنوں کچھ زیادہ ہی خوراکیں استعمال کر رہا ہے۔"

"نہیں، ویگن میں وہ نہیں ہے۔" صفدر نے سرگوشی کی۔

"تم دائیں طرف خیال رکھنا، میں اس طرف سے بڑھتا ہوں۔" عمران نے پھرتی سے ایک درخت کی اوٹ لے لی اور آگے بڑھ گیا۔

صفدر دوبارہ سڑک کی دوسری جانب پہنچا اور درختوں کی آڑ میں ویگن کی طرف بڑھنے لگا۔ عمران نے درخت کی اوٹ سے نکل کر خود کو زمین پر گرا دیا اور رینگتا ہوا ویگن کی طرف بڑھا۔ سانپ کی سی تیزی سے وہ ویگن کی فرنٹ سیٹ کے دروازے کے قریب پہنچا۔ اس نے ایک ہاتھ دروازے پر پھیرا اور ہینڈل ٹٹول کر آہستہ سے گھمایا... دروازہ ایک جھٹکے سے کھول کر وہ پھرتی سے اٹھا اور دونوں ہاتھ آگے بڑھا کر فرنٹ سیٹ پر جھپٹا لیکن اگلے ہی لمحے اس کی کھوپڑی گھوم گئی۔

فرنٹ سیٹ خالی تھی۔ معاً دوسری طرف والے دروازے کے قریب سرسراہٹ سنائی دی۔ عمران اسی طرح سیٹ پر دبک گیا۔ چند لمحے بعد دوسری طرف والا دروازہ کھلا اور ایک سایہ سا دکھائی دیا۔

"کون...؟" عمران نے سرگوشی کی۔

"اوہ، آپ ہیں عمران صاحب!" صفدر ایک طویل سانس لے کر اندر آ گیا۔

"اس طرف کوئی دکھائی دیا؟"

"جی نہیں۔" صفدر نے سرگوشی کی۔ "یہ کیا اسرار ہے؟ میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آ رہا۔ جوزف نے اس قسم کا مذاق پہلے تو کبھی نہیں کیا۔"

"گھبراؤ نہیں۔ میرا خیال ہے، اس کے ساتھ بھی کسی نے جو مذاق کیا ہے، وہ پہلے کبھی نہیں ہوا ہوگا۔" عمران نے ایک طویل سانس لی اور ویگن کے اندر روشنی کر دی۔

"کیا کر رہے ہیں؟" صفدر کی آواز لرز گئی۔

"بب... بجھا دوں..." عمران نے بھی جواباً کپکپائی ہوئی آواز میں کہا اور اس کے ساتھ ہی بتی بجھا دی پھر اچانک ہی کسی انجانے خیال کے تحت چونک کر اس نے صفدر کو نیچے اترنے کا اشارہ کیا اور خود بھی کود گیا۔ صفدر گھوم کر اس کے قریب آ گیا۔ اس کی سانس بری طرح پھول رہی تھی۔

"کیا بات ہے؟ نیچے کیوں اتر آئے؟"

"ٹائم بم..." عمران نے کپکپاتے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ "میرا خیال ہے، یہاں رکنا خطرناک بھی ثابت ہو سکتا ہے... آؤ۔"

وہ تیزی سے واپس چل دیے۔ عمران کی رفتار بہت تیز تھی۔ صفدر کے لیے قدم ملا کر چلنا دشوار ہو رہا تھا۔ چند لمحوں بعد اسے ساتھ ساتھ دوڑتے ہی بنی۔ عمران دائیں بائیں دیکھتا ہوا ایک ایسی جگہ پہنچ گیا، جہاں کچھ دیر پہلے ویگن کھڑی تھی۔ اس نے درختوں کے آس پاس زمین کا جائزہ لیا لیکن خلاف توقع اسے جوزف کہیں دکھائی نہیں دیا۔

"چلو، پیارے! اب جتنی تیزی سے ممکن ہو سکے، بھاگ نکلو۔ میرا خیال ہے، پاگل خانے کے ان محافظوں کو ہوش آ گیا ہے جنھیں ہم نے بے ہوش کر دیا تھا۔"

"جی ہاں، کچھ گڑبڑ دکھائی دیتی ہے۔"

اس سے پہلے کہ وہ بھاگ اٹھتے، انھیں ایک مرتبہ پھر چونکنا پڑا۔ ویگن اسٹارٹ ہو کر تیزی سے آگے بڑھ گئی تھی۔

"چلو یار، ورنہ اس بھوت پریت کے چکر میں دوبارہ اندر جا پہنچیں گے۔" عمران نے کہا اور صفدر کو آگے دھکیل دیا۔

دونوں تیزی سے بھاگ نکلے۔ اُن کا رُخ اسی طرف تھا، جدھر ویگن جا رہی تھی۔ ویگن کی عقبی بتیاں روشن تھیں۔ موڑ تک یہ بتیاں دکھائی دیتی رہیں پھر نگاہوں سے اوجھل ہو گئیں۔

عمران اور صفدر دونوں تیز رفتاری سے دوڑتے رہے...

"جوزف کہاں غائب ہو گیا؟" صفدر نے ہانپتے ہوئے سوال کیا۔

"مت بولو پیارے! بس بھاگتے رہو۔" عمران نے کہا اور تیزی سے بھاگتا رہا۔ ابھی وہ چوراہے سے چند گز اِدھر ہی تھے کہ فضا فائروں کی آواز سے گونج اُٹھی۔ صفدر نے بوکھلا کر دائیں جانب چھلانگ لگا دی۔ عمران ابھی حالات سے پوری طرح آگاہ بھی نہیں ہو پایا تھا کہ صفدر اُس پر آ رہا اور دونوں بُری طرح اُلجھ کر گر پڑے۔

"کیا مصیبت ہے؟" صفدر جھلا کر بولا۔

"نہیں، یہ تو کچھ اور ہی ہے پیارے! بس رینگتے ہوئے دائیں طرف نکل چلو۔" عمران نے دائیں طرف اشارہ کیا، جہاں کسی کوٹھی کی چند فٹ اونچی دیوار دکھائی دے رہی تھی۔ دونوں پیٹ کے بل گھسٹتے ہوئے اُدھر بڑھنے لگے۔ چند ہی لمحوں بعد وہ دونوں، دیوار پھاند کر اندر جا گرے۔ "بس یہیں دبکے رہو۔ اس وقت ہم دونوں کی حالت کسی نوعمر بیوہ سے بھی گئی گزری ہے۔ نہ جانے کون مشٹنڈے ہماری تاک میں ہیں۔" عمران نے لرزتی ہوئی آواز میں سرگوشی کی۔

صفدر خاموش رہا۔ حالات اُس کی سمجھ سے باہر تھے۔ باہر دیوار کی دوسری طرف اب بھی فائرنگ ہو رہی تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے دو گروہوں میں تصادم ہو گیا ہو... لیکن ایک بھی چیخ سنائی نہیں دی۔ "عمران صاحب!" صفدر نے اُسے ٹہوکا دیا لیکن جواباً عمران کے ہلکے ہلکے خراٹے سن کر وہ بُری طرح جھلا گیا۔ اچانک فائرنگ ختم ہو گئی اور ماحول پہلے کی طرح پُرسکون ہو گیا لیکن اب ایک نئی مصیبت سامنے آ گئی، جس چار دیواری میں اُنھوں نے پناہ لی تھی، اُس کے مکین فائرنگ کی آواز سن کر بیدار ہو گئے تھے۔ "ارے، وہ کیا ہے؟" صفدر نے سرگوشی کی۔ عمران نے چونک کر اُدھر دیکھا، جہاں ایک سفید رنگ کی کار کھڑی تھی۔

"ہو گیا کام۔ چلو، تم گیٹ کی طرف۔ میں کار لاتا ہوں۔ یا اللہ! تو مجھے صبر کی توفیق عطا کر، میں عرصے سے دوسروں کے پھٹے میں ٹانگ اڑاتا چلا آ رہا ہوں۔" عمران بڑبڑایا اور تیزی سے کار کی طرف رینگنے لگا۔ صفدر گیٹ کی طرف بڑھ رہا تھا۔



عمران نے ایک طویل سانس لی اور فون کی طرف بڑھ گیا۔

وہ ابھی کچھ دیر پہلے ہی اپنے فلیٹ واپس آیا تھا۔ صفدر بھی اُس کے ساتھ ہی تھا لیکن اُسے کپڑے بدلنے کے بعد اُس نے رُخصت کر دیا تھا اور چلتے وقت یہ ہدایت ضرور کر دی تھی کہ وہ کسی ہوٹل میں قیام کرے اور اس کا پتہ صرف عمران کو ہونا چاہیے۔ یہاں تک کہ ایکسٹو کو بھی اس بات کی اطلاع نہ دے۔ صفدر نے حیرت کا اظہار کیا لیکن عمران نے اُسے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ میاں، اُس کا دماغ خراب ہو رہا ہے۔ ممکن ہے، اس مرتبہ وہ کوئی نیا کام ہی سونپ دے۔ لہٰذا بہتر ہو گا کہ چند دنوں کے لیے رُوپوش ہو جاؤ۔

عمران کا ذہن پچھلے دو روز سے پے در پے رُونما ہونے والے واقعات سے بُری طرح جھلا گیا تھا۔ ابھی کچھ دیر پہلے والی پُراسرار فائرنگ کسی بھی خانے میں فٹ نہیں ہو رہی تھی۔ عمران جوزف کے لیے فکرمند ہو رہا تھا۔ نہ جانے، اُس پر کیا اُفتاد آ پڑی تھی... اور وہ بھوت جو ویگن لے بھاگا تھا، وہ بھی اُس کے ذہن سے چپکا ہوا تھا۔ اُس کی نگاہ دیوار گیر کلاک کی طرف اُٹھ گئی۔

رات کے بارہ بج رہے تھے۔ اُس کے ذہن میں جولیا کا وہ جملہ گونجنے لگا جو وہ چلتے وقت کہہ گئی تھی۔ عمران کا دل شدت سے دھڑکنے لگا۔ اگرچہ اُسے جولیا سے کسی حماقت کی توقع نہیں تھی... لیکن معاملے کی نوعیت بھی معمولی نہیں تھی۔ جلدی جلدی جولیا کا نمبر ڈائل کرنے کے بعد وہ سلسلہ ملنے کا انتظار کرنے لگا۔ دوسری طرف مسلسل گھنٹی بجتی رہی لیکن کسی نے کال ریسیو نہیں کی۔ عمران کے ذہن میں خطرے کی گھنٹی پُرشور آواز کے ساتھ بجنے لگی۔

لگ بھگ پانچ منٹ تک وہ سلسلہ ملانے کی کوشش کرتا رہا پھر مایوس ہو کر، اُس نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ اُس کی پیشانی عرق آلود ہو رہی تھی اور دل بُری طرح دھک دھک کر رہا تھا۔ ابھی وہ کسی فیصلے پر نہیں پہنچا تھا کہ کال بیل بجنے لگی۔ عمران نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا۔ نصف شب کو کسی کی آمد متوقع نہیں تھی۔ وہ اُلجھا اُلجھا سا دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ دروازہ کھول کر وہ پھرتی سے ایک طرف ہٹ گیا، ورنہ آنے والا اُس کے اُوپر ہی آ گرتا۔ عمران نے حیرت سے دیدے گھمائے اور جوزف کی طرف دیکھا، جو آندھی اور طوفان کی طرح کمرے میں داخل ہوا تھا...

"باس... باس! کیا تم خیریت سے ہو؟"

"ہاں اور تیری خیریت نیک مطلوب ہے۔" عمران نے ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے جوزف کو گھورا۔ "کیوں بے کالیے!

کتنی مرتبہ کہہ چکا ہوں، کام کے وقت زیادہ مت پیا کرو۔ مروا دیا تھا نا ابھی کچھ دیر پہلے!"

"اوہ باس، فادر جوشوا کی قسم، میں نشے میں نہیں تھا۔"

جوزف کی آواز کپکپا رہی تھی اور آنکھیں گہری سرخ ہو رہی تھیں۔ سینہ دھونکنی کی طرح پھول پچک رہا تھا۔ بات کرتے وقت اس کا ہاتھ مسلسل کھوپڑی کا عقبی حصہ سہلاتا رہا۔

"کیوں، کیا سینگ اُگ رہا ہے؟"

"کیا بتاؤں باس۔ اس نے بس اچانک ہی حملہ کر دیا تھا۔ فادر جوشوا کی قسم، وہ ضرور کوئی خبیث رُوح رہی ہو گی ورنہ اتنی پھرتی... ذرا سا کھٹکا ہوا تھا اور پھر میری کھوپڑی میں سُورج طلوع ہو گیا تھا۔"

"ایسے میں جانتا ہوں، تو اب مصنف بننے جا رہا ہے۔" عمران غرّا کر بولا۔ "کیا تمہارا اور سلیمان کا معاہدہ نہیں ہوا۔ میں سب جانتا ہوں۔"

"سلیمان سے معاہدہ!" جوزف بوکھلا گیا۔ "کیسا معاہدہ باس؟"

"یہی کہ وہ باورچی پن چھوڑ کر تمہاری کہانیاں شائع کیا کرے گا اور تم اِن دنوں اپنی پہلی کہانی کے چکر میں ہو۔ کیوں؟"

"ہی ہی..." جوزف کے دانت نکل پڑے۔

"جلدی سے بکنا شروع کر دو، ورنہ کسی چوراہے میں ڈنٹر پیلنے بھجوا دوں گا۔" عمران حلق کے بل چیخا تو جوزف کا منہ بند ہو گیا۔ چہرے پہ زلزلے کے سے آثار چھا گئے۔

"مم... میں... میں نے صفدر اور آپ کو دیوار سے کودتے دیکھا تھا، باس۔ میں نے ہیڈ لائٹس روشن کر دیں۔ بس اسی لمحے کسی نے میری کھوپڑی کے عقبی حصے پر ریوالور کا دستہ آزما ڈالا۔ اس کے بعد معلوم نہیں کیا ہوا۔"

"ہوں... جب تم ہوش میں آئے تو کہاں تھے؟"

"اسی ویگن میں، باس!"

"ہائیں..." عمران اچھل پڑا۔ "اِدھر لاؤ کھوپڑی کا معائنہ کراؤ۔" عمران نے یہ کہہ کر اس کا سر ٹٹولا۔ عقبی حصے پہ ایک بڑا سا گومڑا ابھرا ہوا تھا۔ عمران کا ہاتھ لگنے سے جوزف نے تکلیف آمیز سسکاری لی۔ "ابے سیاہ رنگ مصنف۔ بس اب کہانی کا سسپنس ختم کر دے، قسطیں سن سن کر ایسا نہ ہو میرے صبر کا فرائینگ پین چھلک اٹھے۔" عمران نے جوزف کے سامنے جھکتے ہوئے مؤدب لہجے میں کہا۔

"یقین کرو باس۔ میں اپنی ویگن کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ ہوش آیا تو میں نے اسٹیئرنگ سے ہی سر اٹھایا تھا۔" جوزف نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"اور وہ ویگن کہاں تھی؟"

"اسی جگہ، جہاں میں آپ کا منتظر تھا۔"

"کیا؟" عمران نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔ "چل شروع ہو جا، تین سو تین اعشاریہ تین بیٹھکیں..... چل جلدی۔"

"مم... مر جاؤں گا باس!"

"پروا نہ کرو، فاتحہ وغیرہ دلاتے ویسے بھی ایک عرصہ ہو گیا ہے۔"

"رحم کرو باس۔ فادر جوشوا کی قسم، میں بالکل ہی بے گناہ ہوں۔"

"اسی لیے چہرے پر سیاہی کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ اپنے ہاں۔ کیا ہم دونوں مل کر پارٹنرشپ میں ایک بزنس نہ شروع کر دیں۔" عمران نے پُرجوش لہجے میں کہا اور ہاتھ ملنے لگا۔

"کیسا بزنس، باس؟" جوزف نے حیرت سے پوچھا۔

"بس تم صبح و شام دو مرتبہ ایک بڑے تالاب میں نہایا کرنا۔ میں اس دوران کسی کباڑی سے شیشیاں اکٹھی کرتا رہوں گا۔"

"میں اب بھی تمہارا مطلب نہیں سمجھا باس!"

"ابے کالی روشنائی کا کاروبار... رنگ کیسا ہے تمہارا کچا یا پکا؟"

"ہی ہی..." جوزف نے دانتوں کی نمائش کر دی۔

"ہوں..." عمران نے ہنکارا بھرا۔ "اب ویگن کہاں ہے؟"

"نیچے کھڑی ہے۔" جوزف نے سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔

"بس، ٹھیک ہے جاؤ۔ سیدھے رانا پیلس ہی جانا۔ آتے ہوئے کوئی تمہاری دُم سے بندھ کر یہاں تک تو نہیں آ گیا؟"

"نہیں باس۔ میں نے تعاقب کا خاص خیال رکھا تھا۔"

"ہوں۔ بس اب جاؤ۔" عمران نے دروازے کی طرف ہاتھ اٹھا کر اشارہ کیا۔

عمران نے اس کے جاتے ہی ایک مرتبہ پھر جولیا سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی، لیکن ناکام رہا۔ اس کی چھٹی حس بار بار کسی گڑبڑ کی اطلاع دے رہی تھی۔ عمران نے میز کی دراز سے ریوالور نکالا۔ چیمبر چیک کیا اور اسے جیب میں ڈالتا ہوا دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

چند ہی لمحوں کے بعد اس کی ٹو سیٹر ہوا کے دوش پر سوار، جولیا کے فلیٹ کی طرف اڑی جا رہی تھی۔ اس کے جبڑے اتنی سختی سے بھنچے ہوئے تھے کہ ہڈیاں رخساروں سے جھلکتی محسوس ہونے لگیں۔ ہاتھوں کی گرفت اسٹیئرنگ پر انتہائی مضبوط تھی، اس لیے جب بھی کسی موڑ پر گاڑی موڑنے کی کوشش کرتا تو وہیل یوں گھوم جاتا، جیسے اس کا زیریں حصہ کسی مشینری سے منسلک ہونے کی بجائے پانی کی بالٹی میں دھرا ہوا ہو۔ اسے بار بار اپنی حماقت پر غصہ آ رہا تھا کہ اس نے پاگل خانے کا رخ کرنے سے پہلے ایک نظر جولیا کے فلیٹ میں کیوں نہیں جھانک لیا۔ اگر جولیا نے واقعی اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنا دیا ہو؟ یہ خیال بار بار اس کے ذہن میں ابھرتا، ایک ٹیس سی اٹھتی اور اس کے ہاتھوں کی گرفت اسٹیئرنگ پر مزید مضبوط ہو جاتی اور جبڑے شدت سے بھنچ جاتے۔

اس نے عقب نما آئینے کو درست کیا اور جائزہ لینے لگا۔ اب تک اسے تعاقب کا خیال ہی نہیں آیا تھا۔ کچھ دیر بعد اسے یقین ہو گیا کہ اس کے تعاقب میں کوئی نہیں ہے۔ ایک مرتبہ پھر اس کا ذہن اس پُراسرار شخص کی طرف گھوم گیا جو سیکرٹ سروس کے تین ممبروں کو احمقانہ احکامات دے کر انھیں عمل کرنے پر مجبور بھی کر چکا تھا۔ آخر ان احمقانہ حرکات سے اُسے کیا فائدہ پہنچ رہا ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ پُراسرار شخص، سیکرٹ سروس کے تمام ممبروں کو سامنے لانا چاہتا ہو۔ یہ خیال فوراً ہی ابھر کر معدوم ہو گیا۔ اگر ایسا رہا ہوتا تو پھر وہ اس قدر طویل راستہ اختیار نہ کرتا... لیکن ایک ایسا شخص، جو ایکسٹو کے لہجے پر اس قدر عبور رکھتا ہے کہ اس کے ماتحتوں کو آواز میں کسی قسم کی تبدیلی بھی محسوس نہیں ہوئی، کیونکر سیکرٹ سروس کے تمام ممبروں سے ناواقف رہا ہو گا؟

ٹو سیٹر تیز رفتاری کے سابقہ تمام ریکارڈ توڑتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔ سڑکیں ویران تھیں اور پورے شہر پر خاموشی مسلط تھی۔ عمارت کے سامنے ٹو سیٹر روک کر عمران کود کر نیچے اترا اور تیزی سے دو دو، تین تین سیڑھیاں پھلانگتا ہوا اوپر پہنچ گیا۔ راہداری میں مدھم بلب روشن تھا... اور رات کے اس پہر راہداری بھی سنسان ہی تھی۔ عمران بھاگتا ہوا جولیا کے فلیٹ کے سامنے پہنچا۔ ہینڈل کو گھمانے پر معلوم ہوا کہ دروازہ لاک ہے۔ عمران کی ہول پر جھک گیا اور ایک طویل سانس لے کر سیدھا ہو گیا۔ فلیٹ میں اندھیرا تھا۔ اس کا دل شدت سے دھڑکنے لگا۔ اس نے دروازے پر دستک دی۔ کئی بار دستک دینے کے بعد بھی جب دروازہ نہ کھلا تو عمران نے جیب ٹٹولی اور پھر برابر والے فلیٹ کی طرف بڑھ گیا۔ اگلے ہی لمحے وہ دروازے پر دستک دے رہا تھا۔

کچھ دیر بعد دروازے کی دوسری جانب کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ دروازہ کھل گیا، سامنے شب خوابی کے لباس میں ملبوس ایک عورت کھڑی، حیرت سے عمران کی طرف دیکھ رہی تھی۔ عمران نے اسے سمجھانے بجھانے میں مزید وقت ضائع کرنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ اسے ایک طرف دھکیلتا ہوا فلیٹ میں گھس گیا۔ عورت خوف زدہ انداز میں چیخنے لگی لیکن عمران وہاں کہاں تھا... وہ تو تیزی سے سامنے والے حصے کی کھڑکی سے کارنس پر اُتر گیا تھا۔ کارنس پر چلتا ہوا وہ جولیا کے فلیٹ کی کھڑکی کے قریب پہنچ گیا۔ مڑ کر عقب میں دیکھا تو وہی عورت کھڑکی سے جھانک رہی تھی۔ اب وہ چیخنے کی بجائے حیرت زدہ سی اسے گھور رہی تھی۔

عمران نے کھڑکی کو دھکیلا اور ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔ کھڑکی بھی بند تھی۔ اس نے شیشے پر ہاتھ مارا۔ شیشہ ایک چھناکے سے ٹوٹ گیا۔ عمران نے ہاتھ ڈال کر چٹخنی گرائی اور پٹ دھکیل کر کھڑکی کھول دی۔ کھڑکی کھلتے ہی وہ اندر کود گیا۔

فلیٹ میں گہری تاریکی تھی۔ وہ تیزی سے سوئچ بورڈ کی طرف بڑھا لیکن چند قدم چلتے ہی اس کا پاؤں قالین پر پڑے ہوئے کسی جسم سے ٹکرایا اور عمران کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ وہ دیوانوں کی طرح نیچے جھکا۔ ٹٹول کر دیکھا۔ بلاشبہ وہ ایک نسوانی جسم تھا۔ عمران کے ذہن میں آندھیاں سی چلنے لگیں۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھا اور اندازے سے سوئچ بورڈ کی طرف بڑھا۔ سوئچ آن کرتے ہی کمرہ روشنی سے جگمگا اٹھا۔ عمران نے تیزی سے پلٹ کر اس جسم کی طرف دیکھا، جس سے وہ اندھیرے

میں ٹکرایا تھا۔ وہ جُولیا ہی تھی۔

عمران کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ سانسوں کی آمد و رفت میں طوفان سا آگیا اور وہ سکتے کے سے عالم میں جُولیا کے ساکت جسم کو دیکھتا رہ گیا۔ جُولیا فرش پر بکھری پڑی تھی۔ عمران نے اس کی نبض ٹٹولی۔ معمولی سی حرکت تھی۔ عمران کی نگاہ پاس ہی گری ہوئی ایک شیشی پر پڑی۔ اس نے جھپٹ کر اسے اُٹھا لیا۔ شیشی کا لیبل دیکھ کر اس کے ذہن میں گویا ایٹم بم پھٹ گیا۔

"خواب آور گولیاں!" وہ بڑبڑایا اور تیزی سے فون کی طرف لپکا۔ اگلے ہی لمحے وہ ڈاکٹر شاہین کے نمبر ڈائل کر رہا تھا۔

☆☆

چوہان نے ایک طویل انگڑائی لی اور گالوں پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ اچانک فون کی گھنٹی گنگنانے لگی۔ اس نے ایک نظر فون کی طرف دیکھا اور مسکرا دیا۔ بہت دنوں بعد یہ گھنٹی سُنائی دی تھی۔ ظاہر ہے بے کاری کے دنوں میں چیف محض ان کی خیریت معلوم کرنے کے لیے کال نہیں کرتا تھا۔ "لو پیارے کوئی بڑی خبر ہی سُنانا۔ اب تو چین کی بنسی بجانے بجاتے موڈ آف ہو گیا ہے۔" وہ گویا فون سے اِستدعا کرتا ہوا آگے بڑھا۔

"چوہان دِس سائیڈ۔"

"ایکسٹو...!"

"یس سر... یس سر...!" اس کی آواز لڑکھڑا گئی۔

"ابھی اور اِسی وقت فلیٹ چھوڑ دو!" ایکسٹو نے خشک لہجے میں حکم دیا۔

"او۔ کے سر... لیکن مجھے کیا کرنا ہے؟"

"تم میک اپ کرو گے۔ اس کام کے لیے تمھیں صرف دس منٹ دیے جاتے ہیں۔ اس کے بعد ہوٹل ڈی پیلس پہنچو گے۔ ڈی پیلس کے ہال میں داخل ہونے سے پہلے تم ایک ٹائی پن لگاؤ گے، جو اس وقت تمھاری جیب میں موجود ہو گی۔"

"لیکن چیف! میرے پاس خصوصیت سے ایسی کوئی ٹائی پن نہیں ہے۔"

"پروا مت کرو۔ وہ تم تک پہنچ جائے گی۔"

"مجھے وہاں کیا کرنا ہے؟"

"تم دس منٹ تک ہال میں بیٹھو گے... اگر کوئی تم میں دلچسپی لینے کی کوشش کرے تو وہاں سے اٹھ جانا اور ساحل کی طرف روانہ ہو جانا۔ یاد رہے پیدل۔"

"پپ... پیدل!" چوہان کی کھوپڑی گھوم گئی۔ "ساحل ہوٹل سے دس میل دور ہے جناب۔ کیا میں ساحل تک پیدل ہی جاؤں گا؟"

"ہاں..." ایکسٹو کے لہجے میں بے پناہ سختی تھی۔ "کیا تمھیں کوئی اعتراض ہے؟"

"نن... نہیں باس، لیکن..."

"شٹ اپ۔" ایکسٹو اتنے سخت اور سرد لہجے میں غرّایا کہ ٹیلی فون لائن جھنجھنا گئی۔

چوہان کی ریڑھ کی ہڈی بھی سنسنا اٹھی۔ "سوری جناب۔ میں آپ کے حکم کی تعمیل کروں گا۔" چوہان نے جلدی سے کہا۔ "اس کے بعد کیا کرنا ہو گا۔"

"ساحل تک وہ شخص تمھارا تعاقب کرے گا۔ تمھیں یاد ہو گا، ڈی پیلس سے ساحل کی طرف جانے والی سڑک ویران ساحل تک چلی جاتی ہے۔ وہاں تم اس شخص کا اِنتظار کرو گے۔ جب وہ شخص تمھارے قریب پہنچ جائے تو تم اس کے منہ پہ پوری قوت سے طمانچہ مارو گے۔"

"یس سر... یس... سر..." چوہان نے ہکلا کر جواب دیا۔

"اگر وہ شخص اس پر اعتراض کرے تو تم اپنی اصلی آواز میں اس سے صرف ایک جُملہ کہو گے: مجھے یہی کچھ کرنے کے لیے کہا گیا تھا۔"

"بہت۔ اچھا جناب۔ چھچھ... رر..." چوہان نے بمشکل تھوک نگلا۔

"اس کے بعد کی ہدایات تمھیں اسی شخص سے ملیں گی۔" ایکسٹو نے خشک لہجے میں کہا اور سلسلہ منقطع ہو گیا۔

چوہان نے ریسیور کریڈل پہ ڈال دیا۔ اس کا پورا بدن پسینے میں نہا گیا تھا۔ آنکھوں سے اُلجھن جھلک رہی تھی۔ سات آٹھ ماہ کی بے کاری کے بعد کام بھی ہاتھ آیا تو ایسا کہ جس کا نہ تو کوئی سر تھا اور نہ پیر۔

اس نے میک اپ کا سامان نکالا اور ڈریسنگ کے سامنے بیٹھ گیا۔ پانچ منٹ بعد اس نے آئینے میں جائزہ لیا تو اس کے ہونٹ مسکراہٹ سے پھیل گئے، اس کی باریک ترشی ہوئی مونچھیں پھڑکنے لگیں۔ اس نے کسی لااُبالی سے نوجوان کا میک اپ کیا تھا، جس کی دلچسپیاں صرف ہوٹل نوردی تک محدود ہوں۔ چہرے کی ساخت اور آنکھوں سے جھلکنے والی چمک اس کی زندہ دلی کی غمّاز تھی۔ میک اپ سے فارغ ہو کر وہ فلیٹ لاک کرتا ہوا نیچے اُتر آیا۔ ہاتھ کے اشارے

سے ایک گزرتی ہوئی ٹیکسی کو رکنے کے لیے ہاتھ کا اشارہ کیا اور رکنے کے بعد وہ عقبی نشست پر نیم دراز ہو گیا اور سگریٹ سلگا کر ہلکے ہلکے کش لگاتا ہوا ایکسٹو کے حکم کے بارے میں سوچنے لگا۔ وہ حیران تھا کہ ایکسٹو وہ مخصوص ٹائی پن اسے کس طرح پہنچائے گا جبکہ ہوٹل کا فاصلہ صرف چند منٹ کا رہ گیا تھا... اور پھر وہ چند منٹ بھی گزر گئے۔

چوہان نے کرایہ ادا کیا اور ہوٹل کی طرف بڑھ گیا۔ ابھی وہ چند قدم ہی آگے بڑھا ہو گا کہ ٹیکسی ڈرائیور کی آواز سن کر چونک پڑا۔ پلٹ کر دیکھا تو ٹیکسی ڈرائیور ہاتھ کے اشارے سے اسے بلا رہا تھا۔ چوہان کی تیوریاں چڑھ گئیں۔ وہ ٹیکسی ڈرائیور کو گھورتا ہوا اس کی طرف بڑھ گیا۔ قریب پہنچتے ہی اس نے غرا کر کہا۔ "کیا بات ہے؟"

"جناب! یہ غالباً آپ کی ٹائی پن گر گئی ہے۔"

"ٹائی پن...!" چوہان چونک کر ٹیکسی ڈرائیور کی طرف دیکھنے لگا جو ہاتھ میں ایک سنہرے رنگ کی انتہائی خوبصورت ٹائی پن لیے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ چوہان نے گہری نگاہوں سے ٹیکسی ڈرائیور کو دیکھا۔ انتہائی بدصورت اور کراہت آمیز نقوش کا مالک ٹیکسی ڈرائیور، اسے اپنی طرف گھورتے دیکھ کر مسکرا دیا۔ اس کا بالائی دانت جو اس کے نچلے ہونٹ میں چبھا ہوا دکھائی دیتا تھا، مسکرانے کی وجہ سے کچھ اوپر اٹھ گیا۔ چوہان نے جلدی سے نگاہیں پھیر لیں۔

"کیا یہ ٹائی پن آپ کی نہیں ہے جناب؟"

"ہاں، یہ میری ہی ہے۔ لاؤ۔ تھینک یو۔" چوہان نے یہ کہہ کر جلدی سے ٹائی پن اس کے ہاتھ سے اچک لی اور منہ پھیر کر ہوٹل کی طرف بڑھ گیا۔ اس کا جی متلانے لگا تھا۔ اس قدر کراہت آمیز چہرہ اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ "خدا جانے ایسے بدصورت آدمیوں کو کون ٹیکسی ڈرائیونگ کے لیے لائسنس دے دیتا ہے۔" وہ زیرلب بولا۔ "مدتوں یہ چہرہ میرا موڈ خراب کرتا رہے گا۔ لاحول ولا..."

ہال کے دروازے پر رک کر اس نے ایک اچٹتی ہوئی نگاہ پورے ہال پر ڈالی۔ ڈی پیلس، شہر کے چند اچھے ہوٹلوں میں سے ایک تھا۔ ہال میں زیادہ رش نہیں تھا۔ ابھی رات کا ابتدائی حصہ تھا، اس لیے چند جوڑے ہی دکھائی دیئے، جو ہلکے پھلکے مشروبات سے دل بہلا رہے تھے۔ چوہان نے ہال کے دروازے میں کھڑے ہی وہ خوبصورت سی پن، ٹائی پر لگا دی اور زیر مونچھ مسکرانے لگا۔ لیکن ابھی مسکراہٹ پوری طرح اس کے لبوں پر پھیلنے بھی نہیں پائی تھی کہ دم توڑ گئی۔ اسے وہ کریہہ الشکل ٹیکسی ڈرائیور یاد آ گیا تھا جس کے توسط سے یہ خوبصورت ٹائی پن اس تک پہنچی تھی۔ وہ دھیرے دھیرے چلتا ہوا ایک خالی میز کی طرف بڑھ گیا۔ میز پر قبضہ جماتے ہی وہ سوچنے لگا کہ ایکسٹو کے اس حکم کے پیچھے کون سی مصلحت کارفرما ہے۔ پھر وہ ٹائی پن یقیناً اس ٹیکسی ڈرائیور ہی کے پاس تھی۔ ایسے میں ٹیکسی ڈرائیور کو کس خانے میں فٹ کرے؟ ظاہر ہے، وہ ٹائی پن اس کی جیب سے تو گری نہیں تھی۔ پھر ایسے منحوس شکل و صورت والے آدمی کا ایکسٹو سے کیا تعلق؟ کہیں وہ خود ایکسٹو تو نہیں تھا؟ یہ خیال آتے ہی اس کی مونچھیں تھرتھرانے لگیں۔ ایکسٹو اُن کے نزدیک کسی بدروح سے کم نہیں تھا لیکن ایسی نامناسب شکل و صورت کا تصور ہی بھیانک تھا۔ چوہان دل ہی دل میں مسکرانے لگا۔ اچانک ایک نئے خیال نے اس کے ذہن میں جنم لیا۔ ضرور وہ ایکسٹو ہی تھا لیکن میک اپ میں...

اچانک وہ چونک پڑا۔ اس کی نگاہ دائیں طرف، ایک میز پر بیٹھے ہوئے شخص پر پڑی۔ وہ شخص اسے مسلسل گھور رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ہلکی سی سرخی تھی اور چہرے پر سفید رنگ کی داڑھی... چوہان نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا... پھر اس کے ذہن میں ایکسٹو کا حکم گھومنے لگا۔ وہ میکانکی انداز میں اپنی میز سے اٹھ گیا۔ ویٹر نے اسے اٹھتے دیکھا تو لپک کر بل لے آیا۔ چوہان نے اس کی پلیٹ میں ایک نوٹ پھینک دیا۔ "کیپ دی چینج۔" وہ شاہانہ انداز میں بڑبڑایا اور ہال کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ دروازے کے قریب پہنچنے سے پہلے اس نے رک کر سگریٹ سلگایا اور کن انکھیوں سے عقب میں دیکھا۔ وہ شخص بل ادا کر رہا تھا۔ چوہان کو یقین ہو گیا کہ یہ وہی مطلوبہ آدمی ہے۔

وہ لابی پرائی سے چلتا ہوا باہر نکل آیا۔ گیٹ کے قریب پہنچ کر اس نے ایک نظر دوبارہ پیچھے دیکھ کر اطمینان کر لیا کہ وہ شخص واقعی اس کے تعاقب میں ہے یا نہیں؟ سفید داڑھی والا اس کے پیچھے ہی تھا۔ چوہان نے ایک طویل سانس لی اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ساحل کی طرف جانے والی سڑک پر چل دیا... دس میل کا پیدل سفر...! وہ جب بھی سوچتا تو اس کی ٹانگیں کانپ جاتیں۔ "ابھی تو آغاز ہے، آگے آگے دیکھیے ہوتا

"کیا؟" وہ بڑبڑایا اور اس کے ہونٹوں پہ ایک بے ساختہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ تعاقب کرنے والے شخص کو جب دس میل پیدل مارچ کے بعد ایک عدد طمانچہ بطور انعام ملے گا تو اس کا کیا حال ہوگا؟ ظاہر ہے، صورتِ حال انتہائی مضحکہ خیز اور ناخوشگوار ہوگی لیکن اس کے سوا چارہ ہی کیا تھا۔ یہ ایکسٹو کا حکم تھا اور اسے ہر حال میں پورا ہونا چاہیے تھا۔

نصف گھنٹے بعد چوہان اس چوراہے پر پہنچ گیا، جہاں شہری آبادی ختم ہو جاتی تھی اور ویران علاقہ شروع ہوتا تھا۔ اس نے ریڈیم ڈائل گھڑی پر وقت دیکھا، رات کے ٹھیک نو بج رہے تھے۔ جس مقام پر اس وقت چوہان چل رہا تھا، وہاں سے ساحل تک ایک طویل ریگستان پھیلا ہوا تھا۔ ویرانی کے باعث کوئی دن کو بھی ادھر کا رخ نہیں کرتا تھا، چہ جائیکہ رات نو بجے اس جگہ رونق ناممکنات میں سے تھی۔ لیکن اس بات کا کیا جواب کہ ایکسٹو ہمیشہ ایسے ہی احکامات دیتا تھا، جن کے لیے لفظ ناممکن ہی استعمال ہوتا تھا۔ کھلے علاقے کی وجہ سے ہواؤں کا زور بھی بڑھ گیا تھا۔ ہوا کے تیز جھکڑ کبھی کبھی ریت کی لہریں سی اڑا کر بکھیر دیتے تھے۔ سڑک پر ریت، ایک کنارے سے دوسرے کنارے کی طرف رینگتی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔ چوہان کا جی چاہا کہ جتنی تیز ممکن ہو سکے، بھاگ اٹھے۔ اس طرح فاصلہ کچھ تو کم ہوگا... پھر اس کا ذہن اس حضرتِ باریش کی طرف گھوم گیا، جو بڑے صبر و تحمل سے اس کا تعاقب کر رہا تھا۔

دونوں آگے پیچھے چلتے رہے۔

چوہان ساحل پر پہنچا تو مارے تھکن کے برا حال ہو رہا تھا۔ کہاں کئی ماہ بستر پہ آرام کرتے گزرے تھے اور کہاں یکدم یہ افتاد آن پڑی تھی۔ اس نے گھڑی میں وقت دیکھا، نصف شب کا عمل تھا۔ گویا وہ ڈھائی گھنٹے میں ساحل تک پہنچا تھا۔ سمندر کے قریب پہنچ کر خنکی کچھ اور بھی بڑھ گئی تھی، لیکن پسینہ پسینہ اور تھکن سے نڈھال جسم کے لیے سمندری ہوائیں فرحت بخش ثابت ہو رہی تھیں۔ چوہان نے ایک طویل سانس لی اور اس سفید داڑھی والے شخص کی طرف دیکھنے لگا، جو اس سے کچھ فاصلے پہ خاموش کھڑا تھا۔ بالکل یوں لگ رہا تھا جیسے اس کا سایہ رہا ہو۔ جب تک چوہان متحرک رہا تھا، وہ اس کا تعاقب کرتا رہا اور اب اس کے رکتے ہی وہ بھی رک گیا۔ مارے جھلاہٹ کے چوہان کا دماغ ویسے بھی خراب ہو رہا تھا۔ اس پہ اس نے آگے بڑھ کر ایکسٹو کے حکم کے مطابق جب اس کے رخسار پہ طمانچہ مارا تو اس کی ساری تھکن دور ہو گئی۔

"یہ کیا حرکت ہے؟" تعاقب کرنے والا غرایا۔

"مجھے یہی حکم ملا تھا، دوست۔ معاف کرنا۔" چوہان نے اپنی مخصوص آواز میں جواب دیا۔

"ارے چوہان تم...؟" وہ شخص بوکھلا کر آگے بڑھا۔

چوہان کی کھوپڑی ناچ گئی کیونکہ بولنے والا اس کا ساتھی نعمانی تھا۔ "نعمانی، تم یہاں کہاں؟" وہ حیرت زدہ ہو کر اس سے لپٹ گیا لیکن اگلے ہی لمحے وہ دونوں بری طرح چونک پڑے۔ ان کے قریب ہی کوئی تیسرا شخص بھی موجود تھا۔ اس سے قبل کہ چوہان یا نعمانی میں سے کوئی کچھ کہتا، اس شخص نے آگے بڑھ کر ایک ایک طمانچہ ان دونوں کو رسید کر دیا۔

"معاف کرنا دوستو۔ مجھے یہی حکم ملا تھا۔" تیسرے شخص کی آواز سن کر ان کی کھوپڑیاں رقص کرنے لگیں۔ دونوں بیک آواز چیخے۔ "صدیقی...!"

"ہائیں، یہ تم لوگ ہو، چوہان اور نعمانی...!" صدیقی کی متحیر آواز سنائی دی۔

"اُفوہ، کیا چیف پاگل ہو گیا ہے؟" چوہان اپنے بال نوچتا ہوا بولا۔

"اس وقت تو ہم تینوں پاگل ہو رہے ہیں۔" نعمانی یہ کہہ کر کراہتا ہوا بیٹھ گیا۔ اس کے ساتھ ہی صدیقی اور چوہان بھی ریت پہ گر گئے۔ اگلے ہی لمحے وہ ساکت پڑے سستا رہے تھے کیونکہ انھیں ابھی واپس شہر بھی جانا تھا... پیدل۔

❦

ڈاکٹر شاہین کو فون کرنے کے بعد عمران نے جولیا کا پرس ٹٹولا اور چابی نکال کر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ دروازہ کھول کر اس نے جیسے ہی پٹ کھینچے، سامنے کچھ لوگوں کو دیکھ کر چونک پڑا لیکن اگلے ہی لمحے اس کی نگاہ اس عورت پر پڑی، جس کے فلیٹ سے ہو کر وہ کارنس پر اترا تھا تو ساری بات سمجھ میں آ گئی۔ "کیوں مسٹر، تم کون ہو اور یہ کیا حرکت تھی؟" ایک شخص نے کڑے تیوروں سے عمران کو گھورتے ہوئے دریافت کیا۔

عمران نے انتہائی متانت سے انہیں بتایا کہ جُولیا اس کی گرل فرینڈ ہے۔ مذاق مذاق میں وہ اُس سے رُوٹھ گئی اور اس نے خواب آور گولیاں نگل لی ہیں۔"

"اوہ ۔۔ کیا مس جُولیا مر گئیں ؟" پڑوسن خوف زدہ لہجے میں چلائی۔

"معلوم نہیں۔ میں نے ڈاکٹر کو فون کر دیا ہے!" عمران نے سنجیدگی سے جواب دیا اور سیڑھیوں کی طرف دیکھنے لگا جہاں ڈاکٹر شاہین بڑی افراتفری کے عالم میں نمودار ہوا تھا۔ اور پھر وہ تیزی سے فلیٹ میں داخل ہو گیا۔ آس پاس کے مکین وہیں کھڑے رہ گئے۔ عمران نے اندر آ کر دیکھا۔ ڈاکٹر جُولیا کا جائزہ لے رہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ عمران کی طرف دیکھتا ہوا اٹھ گیا۔ اس کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ دیکھ کر عمران کی جان میں جان آئی۔ "ابھی زندہ ہے ۔۔۔ میں انجکشن دیتا ہوں۔ ہارٹ متاثر ہو گیا ہے، لیکن میرا خیال ہے زندگی کو کوئی خطرہ لاحق نہیں۔"

ڈاکٹر نے ایک انجکشن تیار کیا اور جُولیا کے بازو میں انجیکٹ کر دیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد جولیا کے پپوٹوں میں حرکت ہوئی اور وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اُس نے تیزی سے اپنا گھومتا ہوا سر تھام لیا۔ اُسے کمرہ گھومتا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ ہر شے چکرا رہی تھی۔ اس نے سر تھام کر خود کو سنبھالنے کی کوشش کی لیکن توازن برقرار نہ رکھ سکی اور دوبارہ قالین پر دراز ہوتے ہی اُسے قے ہو گئی۔ پیلا پیلا سا مواد خارج ہونے لگا۔ عمران ساکت کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ ڈاکٹر نے جھک کر وہ شیشی اُٹھا لی، جس میں خواب آور گولیاں تھیں۔ لیبل پڑھنے کے بعد اُس نے حیرت سے جولیا کی طرف دیکھا۔ اور بڑبڑایا۔ "ناممکن ۔۔۔ ناممکن ۔۔"

"کیوں ڈاکٹر۔ کیا بات ہے؟" عمران نے پوچھا۔

"ان خواب آور گولیوں کی ایک بھاری خوراک انسان کو چند منٹوں سے زیادہ زندہ نہیں رہنے دیتی پھر پوری شیشی استعمال کرنے کے بعد یہ کس طرح زندہ ہے، یہ کسی معجزے سے کم نہیں ۔۔۔"

"ہوں ۔ ممکن ہے، ڈوز نارمل رہا ہو!"

"اوہ، یہ کیا ہے ۔۔۔؟" ڈاکٹر تیزی سے ایک طرف لپکا۔ اُس نے مسہری کے نیچے سے کوئی چیز اٹھا کر ہتھیلی پر رکھی اور غور سے اُسے دیکھنے لگا۔ پھر اس کے ہونٹ مسکراہٹ سے

کپکپانے لگے۔

"آئرن کیپسول! میں بھی کہوں کہ مس جُولیا میں اس قدر قوتِ برداشت کہاں سے آگئی؟ لیجیے عمران صاحب، محترمہ خواب آور دوا کے دھوکے میں آئرن کیپسول نگل گئی ہیں۔"

"اوہ ۔۔!" عمران بے ساختہ مسکرا دیا۔ اس کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا تھا۔ اس نے ڈاکٹر کے ہاتھ سے کیپسول لے کر انہیں دیکھا پھر جُولیا کی طرف متوجہ ہو گیا۔ جولیا کی حالت ایسی تھی جیسے اس کے سینے میں چنگاریاں بھر گئی ہوں۔ اس کا حلق سُوکھ گیا تھا۔ بار بار تھوک نگلنے کی کوشش میں وہ کراہ اٹھتی۔

"تھوڑا سا دُودھ مل سکے گا، عمران صاحب!" ڈاکٹر شاہین نے پُوچھا۔

"دیکھتا ہوں۔" عمران یہ کہہ کر تیزی سے کچن کی طرف بڑھ گیا۔ وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں دُودھ کی ایک سربھر بوتل تھی۔ ڈاکٹر نے دُودھ کی بوتل کھول کر جُولیا کے منہ سے لگا دی۔ "نہیں ۔۔۔ نہیں ۔۔۔۔ میں کچھ نہیں پیئوں گی ۔۔۔ میں ۔۔ میں مر چکی ہوں۔" جُولیا نے پُر نقاہت لہجے میں کہا۔ وہ خالی خالی نگاہوں سے عمران اور ڈاکٹر کو گھور رہی تھی۔

"ہائیں ۔۔۔ یعنی مرنے کے بعد بھی نخرے ۔۔۔ پیئو دُودھ۔ جانتی نہیں، میں اور یہ محترم منکر نکیر ہیں۔ کپڑوں کو مت دیکھنا۔ فرشتوں والی وردی ڈرائی کلین کرنے کے لیے بھجوا رکھی ہے۔ پیئو دُودھ ۔۔۔ جلدی۔" عمران فوراً ہی اپنے اصلی رُوپ میں آگیا۔

پہلے تو ڈاکٹر شاہین نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا، پھر مسکرا دیا۔ جولیا بھی عمران کی آواز سُن کر قدرے ہوش میں آگئی۔ لیکن اس کی نگاہوں کا خالی پن اب بھی برقرار تھا۔ وہ بار بار چونک کر آنکھیں بند کر لیتی تھی۔ "ہٹ جائیے۔ میں پلاتی ہوں، انہیں دُودھ ۔" پڑوسن کی جوان سال عورت قریب آتے ہوئے بولی۔ اس نے ڈاکٹر کے ہاتھ سے بوتل لے لی اور جُولیا کو سہارا دے کر بوتل اس کے منہ سے لگا دی۔

عمران منہ چلانے لگا۔ ڈاکٹر اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ "کیوں عمران صاحب! کیا سُوجھ رہی ہے؟"

"یہی ڈاکٹر ۔۔۔ اِکہ یہ صرف عورتوں ہی کا کام ہے۔"

"آپ بلاوجہ ۔۔۔ میرا مطلب تھا۔ کیا مطلب تھا؟" عمران گڑبڑا گیا۔ کیونکہ وہ عورت کڑے تیوروں سے عمران کو گھورنے لگی تھی۔

"آپ تو میرا مطلب سمجھ ہی گئے ہیں، ناں ڈاکٹر؟"
…ران نے بوکھلا کر پوچھا۔
"جی ہاں۔ خوب سمجھ گیا ہوں۔" ڈاکٹر نے ایک بے ساختہ
…ضبط کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا اور عمران بوکھلا
…دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ آس پاس کے مرد اور عورتیں
…کے سامنے جمع تھیں۔ عمران نے مختصراً سب کو حالات
…آگاہ کیا اور انہیں رخصت کر کے دروازہ بند کر دیا۔
"تھینک یو مسز گوگی میں اب ٹھیک ہوں۔" کچھ دیر
…جولیا نے آہستہ سے کہا۔
"کھاؤ قسم ۔ ۔ ۔" عمران لپک کر اس کے سامنے پہنچ گیا۔
جولیا کے لبوں پر ایک سوگوار سی مسکراہٹ پھیلتے پھیلتے
…زرد گئی۔ اس نے ایک نظر عمران کی طرف دیکھا اور پھر اس
…چہرے پر کھنچ گئے۔ "نہیں، نہیں۔ میں زندہ نہیں رہوں گی"
…یکدم ہسٹریائی انداز میں چیخ پڑی۔
"اب تو مجبوری ہے محترمہ! ملک الموت نے تمہیں
…کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ میرا معدہ برباد نہ کرو اور ہاں
…مسز گوبھی ۔ ۔ ۔ سوری ۔ ۔ ۔ کک ۔ ۔ ۔ کیا نام ہے، میرا؟ میرا
…مطلب ہے، آپ کا؟"
"آپ کا تو پتہ نہیں، میرا نام گوگی ہے۔" وہ ناگوار لہجے
…بولی۔
"اوہ اچھا ۔ ۔ ۔ میں نے غلطی سے گوبھی سمجھ لیا تھا۔ خیر، تو
…کہہ رہا تھا مسز گوگی! کہ آپ جولیا کو مسہری پر لٹا دیں اور
…دیر انہیں پُرسکون رکھنے کی کوشش کریں۔"
مسز گوگی نے جولیا کو سہارا دے کر اٹھایا اور اسے
…مسہری پر لٹا دیا۔
"آئرن کیپسول کی اوور ڈوز نقصان دہ تو نہیں ڈاکٹر؟"
"ہر چیز کی زیادتی نقصان دہ ہوتی ہے مسٹر عمران۔"
"جی ہاں، جی ہاں۔ میں نے بھی یہی سنا ہے۔" عمران نے
…پُرجوش لہجے میں سر ہلا کر تائید کی۔
"لیکن عمران صاحب! میں ابھی تک خواب آور گولیاں
…کھانے کی وجہ نہیں سمجھ سکا؟" ڈاکٹر شاہین نے عمران کو ایک
…طرف لے جاتے ہوئے پوچھا۔
"کیا بتاؤں ڈاکٹر! آپ نے فورتھ ایئر میں یہ تو
…پڑھا ہی ہوگا کہ جوانی دیوانی ہوتی ہے۔ بس یہ سب اسی جوانی
…کا کیا دھرا ہے۔"

ڈاکٹر شاہین مسکرانے لگا۔ "میرا خیال ہے، اب انہیں
صرف آرام کی ضرورت ہے ۔ ۔ ۔ اور اس کے لیے آپ خیال
رکھیں گے۔ اب اجازت دیجیے!"
عمران، ڈاکٹر کو رخصت کر کے واپس آیا تو جولیا ایک
مرتبہ پھر غنودگی کے عالم میں پہنچ چکی تھی۔ مسز گوگی اس کے
پاس سوگوار سی بیٹھی ہوئی تھی۔ "کیا یہ سو رہی ہے؟"
"جی ہاں ۔ ۔ ۔" مسز گوگی نے سنجیدگی سے جواب دیا۔
"تو پھر، میرا مطلب ہے، اگر آپ برا نہ مانیں تو ذرا
کچن تک میرے ساتھ آئیے۔" عمران نے استدعا کی۔
"کیوں ۔ ۔ ۔؟" مسز گوگی کی تیوریاں چڑھ گئیں۔
"آپ سے چائے تیار کرنا سیکھوں گا۔" عمران نے بوکھلا
کر جواب دیا۔
مسز گوگی کی ہنسی نکل گئی۔ وہ سمجھ گئی کہ عمران چائے
پینا چاہتا ہے۔ وہ خاموشی سے اٹھی اور مسکراتی ہوئی کچن
کی طرف بڑھ گئی۔ عمران کھوپڑی ٹٹولتا ہوا، جولیا کو دیکھنے
لگا جو بے سُدھ پڑی سو رہی تھی۔ عمران نے متلاشی نگاہوں
سے کمرے کا جائزہ لیا۔ پھر جولیا کا پرس اُلٹ کر تمام چیزیں
نیچے گرا دیں۔ ایک ایک چیز دیکھی لیکن کوئی ایسی چیز نہ ملی جس
سے کوئی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا۔ اس نے دیوار گیر گھڑی کی طرف
دیکھا اور اٹھ گیا۔ رات کے ڈھائی بجے تھے عمران کو جولیا کی
پڑوسن مسز گوگی کا خیال آیا۔ اس کا دل احترام کے جذبات
سے لبریز ہو گیا۔ اُس نے واقعی اس وقت ایک اچھی پڑوسن ہونے
کا ثبوت دیا تھا۔ وہ دبے پاؤں کچن کی طرف بڑھ گیا۔ دروازے
میں رُک کر اس نے مسز گوگی کی طرف دیکھا، جو آہٹ سن کر ۔ ۔ ۔
دروازے کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔ "آئیے مسٹر ۔ ۔ ۔ چائے تقریباً
تیار ہے۔"
"وہ تو ٹھیک ہے، لیکن ڈھائی بج رہے ہیں!" عمران
بڑبڑایا۔
"پھر ۔ ۔ ۔؟" مسز گوگی حیرت زدہ ہو کر عمران کو گھورنے لگی۔
"آپ کے شوہر۔ میرا مطلب ہے خدا ہر کسی کو ایسا ہی
صابر و شاکر شوہر عطا فرمائے۔"
"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔"
"یہی کہ وہ آپ کا انتظار کرتے کرتے شاید سو گئے
ہوں اور آپ یہاں مجھ سے چونچلے کر رہی ہیں۔"
"ویلڈ ۔ ۔ ۔!" مسز گوگی بھڑک کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ "کیا

تمھیں شرم نہیں آتی ؟"

"آتی ہے... لیکن رات بارہ بجے کے بعد واپس چلی جاتی ہے اور سورج نکلتے ہی پھر واپس آجاتی ہے۔"

"تم میری سمجھ سے باہر ہو۔" مسز گوگی نے بے بسی سے کہا۔ "اگر کھوپڑی میں اندھیرا محسوس کر رہے ہو تو میں اس میں روشنی کر سکتی ہوں۔" یہ کہہ کر مسز گوگی کا ہاتھ اپنی چپل کی طرف بڑھ گیا۔

"سنیئے محترمہ، چائے بن گئی ہے۔ اب آپ جا سکتی ہیں۔ میں زیادہ دیر کسی کو برداشت نہیں کر سکتا۔" عمران کے نتھنے پھولنے پچکنے لگے۔ لمحہ بھر کے لیے اس کی آنکھوں سے درندگی جھلکنے لگی۔

مسز گوگی خوف زدہ ہو کر دیوار سے لگ گئی۔ "کک... کیا... تم کیا چاہتے ہو؟"

"چائے..." عمران حلق کے بل چیخا۔

"تیار ہے۔ تم خود ہی ڈال کر پیو۔ میں جا رہی ہوں۔ میرا خیال ہے، تمھارا دماغ مس جولیا کے ساتھ ہونے والے حادثے سے کچھ متاثر ہو گیا ہے۔" مسز گوگی کچھ بڑبڑاتی ہوئی کچن سے نکل گئی۔ وہ سیدھی جولیا کی طرف گئی تھی۔ اسے دیکھنے کے بعد وہ کچن کی طرف عجیب نگاہوں سے گھورتی ہوئی فلیٹ سے رخصت ہو گئی۔

عمران نے بیرونی دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز سنی تو اس کے ہونٹوں پر شریری سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔ وہ جانتا تھا کہ چائے کا دور اطمینان سے چلانا نصیب نہیں ہو گا۔ مسز گوگی، جولیا کے بارے میں سوال کر کر کے اس کا دماغ چاٹ ڈالے گی۔ لہٰذا اسے بھگا دینا ہی مناسب تھا۔

چائے کا کپ بھرنے کے بعد عمران نے شوگر پاٹ تلاش کیا۔ تین چمچ پیالی میں ڈال کر اس نے شکر ہلائی اور پہلی ہی چسکی لے کر منہ بنا لیا۔ چائے سے عجیب سی ناخوشگوار بو اٹھ رہی تھی۔ غالباً مسز گوگی نے کیتلی کو اچھی طرح دھویا نہیں تھا۔ اس نے برے برے سے منہ بنائے لیکن چائے پیتا رہا۔ ابھی وہ چند گھونٹ ہی لے پایا تھا کہ اس کے ہاتھ سے کپ چھوٹ گیا۔ اس کا سر اس قدر تیزی سے گھومنے لگا کہ وہ ہزار کوشش کے باوجود خود کو نہ سنبھال سکا۔ اگلے ہی لمحے وہ کچن میں بے سدھ پڑا تھا۔ کچن کی کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ اس میں کسی کا سر نمودار ہوا اور پھر کوئی کود کر اندر آ گیا۔ اس نے جھک کر عمران کو دیکھا اور اس شخص کے انتہائی بھدے اور کریہہ ہونٹ مسکراہٹ سے پھیل گئے۔



صفدر کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ دوڑ گئی۔ اس نے عمران کو جولیا کے فلیٹ کی سیڑھیاں چڑھتے دیکھا تو اس کے ذہن میں پیدا ہونے والے شکوک اور بھی بڑھ گئے۔ نہ جانے کیا بات تھی کہ عمران کے فلیٹ سے نکلتے ہی اس کا ذہن غیر معمولی حالات پر غور کرنے لگا تھا۔ جوں جوں وہ سوچتا رہا، اس کا ذہن الجھتا رہا۔ بس یہی الجھن اس کو عمران کی تاک میں بیٹھنے پر مجبور کر گئی۔ عمران اپنے فلیٹ سے نکلا تو صفدر نے محتاط رہ کر اس کا تعاقب کیا اور اب وہ اس عمارت کے نیچے، ایک طرف کھڑا تھا جس کی بالائی منزل کے ایک فلیٹ میں جولیا رہتی تھی۔ صفدر حیران تھا کہ عمران رات کو اس وقت جولیا کے ہاں کیوں آیا ہے؟ اس نے عمران کو انتہائی عجلت میں سیڑھیاں چڑھتے دیکھا تھا۔ اس کی چال سے بے چینی ظاہر ہو رہی تھی جسے صفدر فوری طور پر کوئی معنی نہیں پہنا سکا۔ اس نے عمارت کے سامنے ایک درخت کی اوٹ لے رکھی تھی اور نگاہیں اس منزل کی طرف اٹھی ہوئی تھیں جس پر جولیا کا فلیٹ تھا۔ لگ بھگ دس منٹ بعد اس نے ایک کھڑکی کے پٹ کھلتے دیکھے اور پھر وہ بری طرح چونک گیا۔ اس نے عمران کو پہچان لیا۔ عمران کی پراسرار حرکات نے اس کے ذہن کو کچھ اور بھی الجھا دیا۔ وہ حیرت سے منہ پھاڑے عمران کی طرف دیکھ رہا تھا جو پتلی سی کارنس پر تیزی سے چلتا ہوا جولیا کے فلیٹ کی کھڑکی کے سامنے رک گیا تھا۔ پھر صفدر نے اسے شیشہ توڑ کر کھڑکی کھولتے دیکھا تو اس کا دل اچھل کر حلق میں اٹک گیا۔

"جولیا خطرے میں ہے۔" یہ خیال بار بار اس کے ذہن میں چکر لانے لگا۔ لیکن اس نے اپنی جگہ سے حرکت نہیں کی۔ وہ خاموشی سے کھڑا عمران کی ایک ایک حرکت کو دیکھ رہا تھا۔ عمران اندر داخل ہو گیا۔ چند لمحوں بعد صفدر نے فلیٹ میں روشنی دیکھی۔ اسی لمحے اس کی نگاہ اس کھڑکی کی طرف اٹھ گئی، جہاں ایک عورت جھک کر عمران کو دیکھ رہی تھی... پھر صفدر نے اس عورت کو بھی کھڑکی سے غائب ہوتے دیکھا۔ اگرچہ خاصی خنکی تھی، تاہم اس کا پورا جسم پسینے میں نہا رہا تھا۔ کچھ گڑبڑ تھی۔ لیکن کیا، یہ بات سمجھ میں نہ آ سکی۔ ایک بار تو جی چاہا کہ وہ بھی جولیا کے فلیٹ میں جا دھمکے پھر یہ سوچ کر رہ گیا کہ عمران نے اسے سختی سے

ہدایت کی تھی کہ رُوپوش ہو جائے۔

آخر یہ کیا چکر ہے؟ ایکسٹو نے اُسے ایک احمقانہ کام کرنے کا حکم دیا تھا اور پھر پاگل خانے سے رہائی... آخر ان سب باتوں کا کیا مقصد تھا؟ عمران کی گفتگو نے اُلجھن میں کچھ اور بھی اضافہ کر دیا تھا۔ صفدر کو اندازہ ہوا کہ پاگل پن کی حرکتیں کرنے کا حکم اُسے ایکسٹو کی بجائے کسی اور نے دیا تھا۔ اچانک اُس نے عمارت کے سامنے ایک کار سے ڈاکٹر شاہین کو اترتے دیکھا۔ ڈاکٹر گاڑی سے اُتر کر دوڑتا ہوا اوپر چلا گیا۔ "یا الٰہی یہ کیا معاملہ ہے۔" وہ بڑبڑایا۔

اُسے وہاں کھڑے کھڑے نصف گھنٹے سے زائد وقت گزر گیا۔ اس وقت تک نہ جانے کتنے اندیشے اس کے دل میں گھر کرتے رہے اور جب صبر کا پیمانہ لبریز ہونے لگا تو اس نے معاملے میں کُود پڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ ابھی وہ اپنی جگہ سے ہٹنے ہی والا تھا کہ اُس کی نگاہ ایک سیاہ ویگن پر پڑی، جو بڑے ہی پُراسرار انداز میں عمارت کے سامنے ایک تاریک حصّے میں کھڑی تھی۔ صفدر کے ذہن میں خطرے کی گھنٹی بجنے لگی۔ اُس نے ویگن سے ایک شخص کو اترتے دیکھا۔ وہ شخص سیاہ لباس میں ملبوس تھا۔ وہ بڑے محتاط انداز میں دائیں بائیں دیکھتا ہوا عمارت کے صدر دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔ صفدر پھرتی سے درخت کی اوٹ میں ہو گیا۔ جیسے ہی وہ شخص صدر دروازے کے سامنے رُکا، صفدر نے اُس آدمی کو پہچان لیا۔ یہ وہی کریہہ الشکل آدمی تھا، جسے وہ پاگل پن کے دوران میں اپنے قریب دیکھ چکا تھا۔

صفدر خاموشی سے حالات کا جائزہ لیتا رہا۔

کریہہ الشکل آدمی سیڑھیاں چڑھتا ہوا اوپر چلا گیا۔

صفدر نے جیب ٹٹول کر ریوالور پر اپنی گرفت مضبوط کر لی۔ یہ ریوالور اُس نے چلتے وقت عمران سے لے لیا تھا۔ پانچ منٹ بعد وہ بدصورت آدمی تیزی سے نیچے آیا اور دوڑتا ہوا ویگن کی طرف بڑھ گیا۔ صفدر نے ریوالور نکال کر ہاتھ میں لے لیا۔ اس کی نگاہیں اندھیرے میں سائے کی طرح متحرک آدمی پر جمی ہوئی تھیں کہ اُسے ڈاکٹر شاہین عمارت کے دروازے سے نکلتا دکھائی دیا۔ ڈاکٹر مطمئن انداز میں نیچے آیا تھا اور وہ جب وہ گاڑی میں چلا گیا تو صفدر کے دل میں اطمینان کی ایک لہر سی اُبھر کر ڈوب گئی۔ وہ سیاہ ویگن کو گھورنے لگا۔ وہ پُراسرار سایہ اب عمارت کے عقبی حصّے کی طرف بڑھتا دکھائی دے رہا تھا۔

صفدر ریوالور ہاتھ میں دبائے اپنی جگہ سے ہٹ گیا۔ وہ دبے قدموں اُس بدصورت آدمی کے تعاقب میں چل دیا۔ جو بلی کی سی خاموشی سے عمارت کے عقبی حصّے میں پہنچ گیا تھا، اور اب پائپ کے سہارے اوپر جانے کے لیے پَر تول رہا تھا۔ صفدر کچھ فاصلے پر کھڑا اُس کی ایک ایک حرکت دیکھ رہا تھا۔ ریوالور پر اُس کی گرفت مضبوط تھی اور وہ کسی بھی لمحے رُونما ہونے والے حادثے سے نمٹنے کے لیے تیار تھا۔

پُراسرار شخص بندروں کی طرح اُچھلتا ہوا، پائپ کے سہارے اُوپر چڑھ کر ایک روشن کھڑکی کی کارنس پر پہنچ گیا۔ کارنس پر پاؤں جما کر وہ رُک گیا اور کھڑکی سے اندر جھانکنے لگا۔ صفدر کی نگاہیں اُس پر جمی رہیں۔

عمارت کے عقبی حصّے میں تاریکی تھی اور کوئی ایسی عمارت بھی نہیں تھی، جس سے کوئی اس پُراسرار شخص کو دیکھ لیتا۔ اس لیے وہ مطمئن انداز میں کارنس پر کھڑا رہا۔ وہ کبھی کبھی روشن کمرے میں جھانک لیتا تھا۔ اچانک صفدر نے اُسے کھڑکی کے راستے اندر کُودتے دیکھا۔ اسی لمحے اس نے ریوالور جیب میں ڈالا اور پائپ کی طرف بڑھا لیکن اس سے قبل کہ وہ اُوپر چڑھنے کے ارادے کو عملی جامہ پہناتا، اُسے ایک طویل سانس لے کر واپس آنا پڑا۔ وہ پُراسرار شخص کھڑکی سے واپس آ کر دوبارہ کارنس پر کھڑا ہو گیا تھا۔

صفدر حیران تھا کہ وہ شخص کیا کرتا پھر رہا ہے؟ جولیا کے فلیٹ میں کیا ہو رہا ہے؟ عمران اندر کیا کر رہا ہے؟ وہ یہاں کیوں آیا ہے؟ اور پھر ڈاکٹر شاہین کی آمد کس خانے میں فٹ کی جائے؟ وہ سوچتا رہا اور اُلجھتا رہا...

پُراسرار شخص دیر تک کارنس پر کھڑا رہا۔ صفدر کو یقین ہو گیا کہ وہ کسی پُراسرار ارادے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے مناسب وقت کا انتظار کر رہا ہے۔ اچانک وہ شخص دوبارہ کھڑکی سے اندر جھانکنے لگا۔ صفدر کے جی میں آیا کہ وہ ایک فائر جھونک مارے اور اس کریہہ الشکل آدمی کو نیچے مار گرائے۔ اسی وقت وہ شخص دوبارہ کھڑکی کے راستے کمرے میں کُودتا دکھائی دیا۔ صفدر جانتا تھا کہ عمارت کے عقبی حصّے کی طرف کچن واقع ہے۔ اس سے پیشتر کہ وہ مزید کچھ سوچتا، اس نے پُراسرار سائے کو کھڑکی سے باہر آتے دیکھا اور اس مرتبہ صفدر بُری طرح چونک پڑا۔ اندھیرے کے باوجود اس نے دیکھ لیا کہ پُراسرار آدمی کی پیٹھ پر کوئی لدا ہوا ہے۔

روشنی میں ایک جھلک دیکھنے کے بعد اُسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کوئی مردہ ہے۔ کیا عمران...؟

وہ شخص حیرت انگیز پھرتی کے ساتھ بوجھ اٹھائے پھسلتا ہوا نیچے آ رہا تھا۔ جب وہ نیچے پہنچ گیا تو صفدر نے ایک قدم آگے بڑھایا اور اسی لمحے اس کے ذہن میں عمران کی ہدایات گھوم گئیں۔ وہ رُک گیا۔ اس نے سوچا کہ ممکن ہے اس کی مداخلت سے بنا بنایا کھیل ہی بگڑ جائے۔

پُراسرار شخص کندھے پر اس بے ہوش آدمی کو لادے تیزی سے سیاہ ویگن کی طرف بڑھ گیا۔ ویگن کے عقبی حصے میں بوجھ پھینک کر وہ بھاگتا ہوا فرنٹ سیٹ پر پہنچ گیا۔ صفدر کے جبڑے بھنچ گئے۔ اُسے خود پر غصہ آنے لگا کہ وہ بلاوجہ اس شخص کو من مانی کر کے فرار ہونے کی اجازت دے رہا ہے۔ پھر اس کی نگاہ عمران کی ٹو سیٹر پر پڑی تو اس کی باچھیں کھِل گئیں۔

ویگن کا انجن گرج کر بیدار ہوا اور ویگن پوری رفتار سے آگے بڑھ گئی۔ صفدر نے ریوالور جیب میں ڈالا اور دوڑتا ہوا ٹو سیٹر کے قریب پہنچا۔ جیسے ہی وہ اسٹیئرنگ پر بیٹھا، اس کا دل خوش ہو گیا۔ عمران چونکہ بڑی عجلت میں گاڑی سے نکلا تھا، اس لیے وہ اگنیشن سے چابی نکالنا بھول گیا تھا۔ اس کی یہ بھول صفدر کے لیے نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں تھی۔ صفدر نے ٹو سیٹر اسٹارٹ کی اور تیزی سے ویگن کے تعاقب میں ڈال دی۔ عمران کے فلیٹ سے وہ ایک ٹیکسی سے آیا تھا۔ ڈرائیور کو چونکہ خاصی ٹپ مل گئی تھی، اس لیے وہ صفدر کی ہدایت کے مطابق عمران کا بڑی ہوشیاری سے تعاقب کرتا رہا تھا۔

ویگن کی رفتار انتہائی تیز تھی اور اس کا رُخ ساحل کی طرف تھا۔ اس وقت پورے شہر پر ویرانی اور خاموشی مسلط تھی۔ ساحل کی طرف جانے والی سڑک اندھیری اور خستہ حال تھی۔ صفدر محتاط انداز میں تعاقب کرتا رہا۔ ساحل سے چند میل ادھر اچانک ہی اس نے پوری قوت سے بریک لگا دیے۔ اگر وہ اس وقت حاضر دماغی سے کام نہ لیتا تو وہ شخص بُری طرح کچلا جاتا جو سڑک کے درمیان کسی لاش کی طرح پڑا ہوا تھا۔ گاڑی روک کر صفدر نے ایک نظر آگے دیکھا۔ ویگن کی عقبی سُرخ بتیاں بہت دُور دکھائی دے رہی تھیں۔ وہ حیران ہو رہا تھا کہ سڑک کے درمیان پڑا ہوا یہ شخص کون ہے۔

یہ بات تو صفدر کسی طور پر بھی نہیں مان سکتا تھا کہ وہ لاش ویگن کے گزرنے سے پہلے بھی وہاں موجود تھی۔ سڑک ویگن کے پھیلاؤ سے بہت چھوٹی تھی اور صفدر نے ایک مرتبہ بھی ویگن کی سُرخ بتیوں کو لہراتے نہیں دیکھا تھا اچانک اس کے ذہن میں ایک خیال گھوم گیا اور وہ چونک پڑا۔ کہیں ویگن والا اپنے شکار کو ٹھکانے لگا کر تو نہیں پھینک گیا؟ بس اسی ایک خیال نے اُسے گاڑی روکنے پر مجبور کر دیا۔

صفدر بڑے محتاط انداز میں نیچے اترا تو ریوالور نکل کر اس کے ہاتھ میں آ گیا۔ ٹو سیٹر کی ہیڈ لائٹس میں وہ شخص اب بھی سڑک کے درمیان اوندھا پڑا تھا۔ وہ لمبے قدموں اس کی طرف بڑھا۔ ابھی وہ جھک کر اُسے سیدھا کرنے ہی جا رہا تھا کہ اندھیرے سے نکل کر دو آدمی نہ جانے کہاں سے اُس پر ٹوٹ پڑے۔ ایک کا ہاتھ صفدر کے ریوالور والے ہاتھ پر پڑا اور ریوالور اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ وہ غرّا کر پلٹا۔ عین اسی وقت سڑک کے درمیان پڑا ہوا شخص بھی اُچھل کر کھڑا ہو گیا اور پھر وہ تینوں صفدر پر ٹوٹ پڑے۔ جن دو آدمیوں نے اس پر پہلے حملہ کیا تھا، انھوں نے صفدر کو جکڑ لیا اور تیسرا سامنے سے گھونسے برسانے لگا۔

صفدر نے پوری قوت لگا کر ان کے بازوؤں کی گرفت سے آزاد ہونے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ ادھر سامنے والا شخص دوبارہ اس پر حملہ آور ہونے والا تھا۔ صفدر کی ٹانگ گھوم گئی۔ وہ شخص ڈکراتا ہوا پیچھے ہٹ گیا... اور جب وہ سنبھل کر کھڑا ہوا تو مارے غصے کے اس کے حلق سے غرّاہٹیں نکل رہی تھیں۔ "میں تمھیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" وہ شخص حلق کے بل چیخا۔

"ارے چوہان، تم...!" صفدر کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

"کون؟... صفدر..." سامنے والا شخص ایک جھٹکے سے رُک گیا۔

"یہ میں ہی ہوں، پیارے! لیکن یہ کیا حرکت تھی؟" صفدر نے اپنے کپڑے درست کرتے ہوئے پوچھا۔ عقبی حملہ آور نعمانی اور صدیقی تھے۔

"لیکن یہ حکم تو ہمیں ایکسٹو نے واچ ٹرانسمیٹر پر دیا تھا

کہ ہم سیاہ ویگن کو گزر جانے دیں اور اس کا تعاقب کرنے والے پر قابو پالیں۔ اگلی گاڑی میں کون تھا، صفدر؟" عمران نے دریافت کیا۔

"معلوم نہیں یار کس گورکھ دھندے میں پھنس گئے ہیں"۔ صفدر نے کندھے اچکاتے اور جیب ٹٹول کر سگریٹ کا پیکٹ نکالنے لگا۔



عمران نے کراہ کر کروٹ بدلی اور آنکھیں کھول دیں۔ اردگرد نگاہ پڑی تو اُچک کر بیٹھ گیا۔ بایاں ہاتھ دھیرے دھیرے کھوپڑی کا عقبی حصہ سہلانے لگا۔ وہ حیران تھا کہ آنکھیں بند ہوئیں تو وہ جولیا کے فلیٹ کے کچن میں تھا اور آنکھ کھلی تو گھاس پھوس کی ایک ہٹ میں ہے۔ غالباً یہ جھونپڑا ساحل سے قریب ہی تھا۔ لہروں کا شور سنائی دے رہا تھا۔ عمران سوچتا ہوا اُٹھا اور جھونپڑے کی کھڑکی کی طرف بڑھا۔ کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ اُس کا مطلب تھا کہ وہ وہاں قید نہیں ہے۔ کھڑکی سے جھانک کر دیکھا تو جھونپڑے کے عقب میں دُور دُور تک سمندر کی نیلگوں چادر بچھی ہوئی تھی۔ لیکن عمران یہ محسوس کر کے چونکے بغیر نہ رہ سکا کہ دُور دُور تک کسی دُوسرے جھونپڑے کا نام ونشان تک نہیں ہے۔

وہ کھڑکی سے کُود کر باہر نکل آیا۔ جھونپڑے کے دائیں بائیں اور سامنے والے حصے میں سوائے ریت کے کچھ نہیں تھا۔ دُور دُور تک پھیلی ہُوئی ریت لیکن صرف ریت ہی کیوں...! ریت پر لیٹی ہوئی کوئی درجن بھر لڑکیاں بھی تھیں جو غالباً سمندر میں پیراکی کے ارادے سے وہاں آئی تھیں۔ "کر لو دُکانداری"۔ عمران کراہ کر بڑبڑایا۔ وہ دھیرے دھیرے چلتا ہُوا ان لڑکیوں کی طرف بڑھ گیا۔ "السلام علیکم یا خواتین!" عمران نے ہکلا کر کہا اور سب اُچک کر بیٹھ گئیں۔ عمران نے ایک نظر سب کو دیکھا اور لوکھلا کر باری باری سب کو سلام کرنے لگا۔

"ہوش میں آگئے آپ؟" ایک مترنم آواز نے پُوچھا۔

"کک... کیا پھر بے ہوش کرنے کا ارادہ ہے؟"

"نہیں... ہم تو بہت دیر سے آپ کے ہوش میں آنے کا انتظار کر رہی تھیں۔ آئیے اب مل کر پیراکی کریں"۔ یہ کہہ کر وہ اُس کا کوٹ کھینچنے لگی۔ عمران سرتاپا یوں کانپنے لگا جیسے اُسے لرزہ ہو گیا ہو۔ اس نے مدافعت کی کوشش کی اور دوسری لڑکی، پہلی کی مدد کے لیے آ گئی۔ یک نہ شد دو شد۔ وہ دونوں عمران کا کوٹ اتارنے کی کوشش کرنے لگیں۔ ادھر عمران کی حالت تھی کہ وہ بار بار کسی ذبح ہوتے ہوئے بکرے کی طرح چیخ رہا تھا۔ "ارے تو کوٹ اتارنے کی کیا ضرورت ہے۔ اسی طرح اٹھا کر سمندر میں کیوں نہیں ڈال دیتیں؟" وہ گلوگیر لہجے میں بولا۔

"دراصل ہم ریت سے تمھاری مالش کرنا چاہتی ہیں"۔

"کک... کیوں؟ کیا مجھے خسرہ نکلنے والی ہے؟"

"بکواس نہیں... اگر اب تم نے مدافعت کی تو یاد رکھو، بہت بُرا سلوک کروں گی"۔ لڑکی نے غرّا کر تنبیہہ کی۔

عمران کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے ہی رہ گیا۔

"لل... لیکن کیا مجھے نہلانا ضروری ہے میرا مطلب ہے، مجھے مرے ہُوئے ابھی زیادہ دیر تو نہیں ہوئی۔ کک... کیوں میرا مُردہ خراب کرنے پر تُلی ہوئی ہو، تم سب..." عمران نے بے بسی سے کہا۔

"یہ اس طرح نہیں مانے گا۔ گرا دو نیچے...!"

"اے نیک دل زمینی مخلوق... مم۔ میں یہ کوٹ خود ہی اتارے دیتا ہوں"۔ عمران نے یہ کہہ کر ایک طویل سانس لی۔ اور کوٹ کے بٹن کھولنے لگا۔

"ٹھیک ہے... اب سیدھے لیٹ جاؤ!"

"لل... لیٹ گیا"۔ عمران نے بے چون وچرا ان کے کہنے پر عمل کیا اور ریت کی مالش شروع ہو گئی۔ عمران بُری طرح چیخنے لگا۔ "محترمہ خدا کے لیے ذرا آہستہ، اس کھال کے نیچے دوسری تہہ موجود نہیں... ویسا کیا آپ کسی قلمی گھر کی زوجہ مفرور ہیں؟ میرا مطلب ہے اس بے چارے کو چھوڑ کر مجھ بے چارے کو..."

"تم یوں نہیں مانو گے"۔ ایک لڑکی نے مٹھی بھر ریت اس کے چہرے کی طرف اُچھال دی۔ ریت اُس کی آنکھوں میں پڑ گئی اور خاصی جلن ہونے لگی۔ عمران بیٹھ گیا۔ لڑکیاں اسے گرانے کی کوشش کرنے لگیں۔ وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ ایک لڑکی کی چیخ اُس کے حلق سے آزاد ہوئی اور لہروں کے شور میں ڈوب گئی۔ عمران نے پوری قوت سے ہاتھ لہرایا تھا جو لڑکی کے منہ پر لگا تھا۔ ہنگامہ برپا ہو گیا۔ عمران کا خیال تھا کہ لڑکیاں خوفزدہ ہو جائیں گی لیکن وہ تو خون آشام ڈائنوں کی طرح اُس پر پل پڑی تھیں۔ گھونسوں، لاتوں اور اپنے ناخنوں کے بے دریغ استعمال سے انھوں نے عمران کا بھرکس نکال دیا۔ عمران ہاتھ پاؤں چلاتا رہا لیکن ایک آدھ ہوتی تو شاید پیچھا چھوٹ جاتا۔ بالآخر اسے موقع مل گیا۔ عمران نے

زقند لگائی اور نکل بھاگا۔
اگرچہ گھبراہٹ لوٹ گیا تھا لیکن لڑکیاں بھی غالباً ایتھلیٹ تھیں، انھوں نے عمران کو دوڑا لیا۔ عمران دل توڑ کر بھاگ رہا تھا لیکن جب بھی نگاہ عقب میں پڑتی تو لڑکیوں کے غول کو قریب تر پاتا۔ اچانک ایک لڑکی نے چھلانگ لگائی اور اڑتی ہوئی عمران پر آن پڑی۔ اس سے پہلے کہ عمران نجات کی کوئی تدبیر کرتا، وہ آکٹوپس بن گئی اور دونوں ریت پر گر پڑے۔ اس اثنا میں دوسری لڑکیاں بھی آ پہنچی تھیں، سب عمران پر ٹوٹ پڑیں۔ اور عمران اس گناہ کے بارے میں سوچ رہا تھا، جس کی پاداش میں اسے یہ سزا مل رہی تھی...
جب معاملہ ناقابلِ برداشت ہو گیا تو اس نے چلا کر لڑکیوں سے استدعا کی کہ اسے چھوڑ دیں۔ وہ ان کی ہر بات ماننے کے لیے تیار ہے۔ لڑکیوں نے اسے چھوڑ دیا۔ سب بُری طرح ہانپ رہی تھیں۔
"مم... میں قسم کھا کر... کہتا... کہتا ہوں کہ تمھاری ہر بات مانوں گا۔" عمران ہکلا ہکلا کر کہنے لگا "لل... لیکن پہلے میرے دو تین سوالوں کا جواب دے دو۔"
"بولو... کیا پوچھنا چاہتے ہو؟"
"تم یہ سب کچھ کس کے ایما پر کر رہی ہو؟"
"ہائیں، بھول گئے... واقعی، اب یقین آیا!" ایک لڑکی نے حیرت کا اظہار کیا۔
"مجھ... بھول گیا... کیا بھول گیا؟"
"ارے، تم نے خود ہی تو ہماری خدمات حاصل کی تھیں۔ کیا تم بھول گئے کہ تم آج صبح ہمارے اڈے پر آئے تھے!"
"اڈے پر... کیا آپ کی بسیں چلتی ہیں، شہر میں؟" عمران نے حیرت سے پوچھا۔
"ہوں، سنو مسٹر! تم نے ہمیں ایک ہزار روپے صرف اس لیے دیے تھے کہ ہم تمھارے مرض کا علاج کر دیں۔ تم بھول جانے کے عادی ہو۔ اس لیے کسی ماہر نفسیات نے تمھارے لیے ریت کی مالش اور سمندر میں پیراکی تجویز کی ہے۔"
"لیکن میں... میں قسم کھاتا ہوں... بلکہ پینے کے لیے بھی تیار ہوں کہ میں نے آپ سب کو کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھا۔"
"تم ہمیں بتا چکے ہو کہ تمھارا رویہ اس قسم کا بھی ہو سکتا ہے، اس لیے بے کار بحث کر کے ہمارا دماغ خراب نہ کرو... چلو سیدھے ہو کر ریت کی مالش کے بعد پیراکی کرو اور واپسی کی تیاری پکڑو۔"
"واپسی... مم... مگر یہاں سے واپسی کس طرح ہو گی؟"
"تم اپنے کسی آدمی کی ڈیوٹی لگا کر آئے ہو۔ وہ سہ پہر تک ہمیں لینے آ جائے گا۔" لڑکی نے جواب دیا۔
"اگر کسی مُردے ڈھونے والے کو تو نہیں بلوا رکھا، تم نے...؟" عمران رُندھے ہوئے لہجے میں بولا۔ اور ایک مرتبہ پھر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس بار وہ بڑی تیزی سے بھاگا تھا۔ ظاہر ہے، جسم تو چھلوانا نہیں تھا۔ دل ہی دل میں وہ بُری طرح پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ اچانک اس نے ایک خطرناک فیصلہ کیا۔ اگلے ہی لمحے وہ ایک جھٹکے سے رُک گیا۔ تعاقب کرنے والی لڑکیوں میں سے پہلی جیسے ہی اس کے قریب پہنچی، اس نے ایک جچا تُلا ہاتھ اس کی کنپٹی پر رسید کر دیا۔ لڑکی کراہ کر لہرائی اور ریت پر ڈھیر ہو گئی۔ اسے بے ہوش دیکھ کر دوسری لڑکیوں کے جوش و خروش میں اضافہ ہو گیا، لیکن اس مرتبہ عمران چھلاوا بنا ہوا تھا۔ اس نے چند منٹ میں چار کو مزید ڈھیر کر دیا۔ باقی سات اب بھی اس پر جھپٹ رہی تھیں لیکن عمران کے خوفناک تیور دیکھ کر ان کے حوصلے پست ہو گئے۔ دو ایک نے ہاتھ کھینچے تو باقی بھی پسپا ہو گئیں۔ ان کی آنکھوں سے تحیّر اور خوف جھلکنے لگا تھا۔ عمران نے انھیں حوصلہ ہارتے دیکھا تو ہاتھ روک لیا اور انھیں گھورتے ہوئے غرایا۔
"اب تم میں سے کسی نے قریب آنے کی کوشش کی تو جان سے مار کر سمندر میں پھینک دوں گا۔ سنا ہے، مچھلیاں خواتین کو کھا کر جو انڈے دیتی ہیں، انھی سے جل پریاں پیدا ہوتی ہیں۔" آخری جملہ کہتے کہتے اس کے چہرے پر سختی کی جگہ حماقت نے لے لی تھی۔
لڑکیاں خوف زدہ سی دور کھڑی رہیں۔
"ہاں اب شروع ہو جاؤ، تم سے کوئی ایک... بتاؤ کیا معاملہ ہے؟"
"معاملہ خود ہماری سمجھ سے بھی باہر ہے۔" ایک لڑکی نے خوف زدہ لہجے میں جواب دیا۔
"ہائیں۔" عمران نے اس کی طرف حیرت سے دیکھا...
"وہ کیوں؟"
"یہ حقیقت ہے کہ تم نے ہمیں ایک ہزار روپے کے عوض

اس ایڈونچر پر رضامند کیا تھا۔ ہم اسے تمھارے مذاق پر محمول کرتی رہیں۔ لیکن جب تم نے قسم کھا کر بتایا کہ ماہرِ نفسیات نے تمھیں یہی علاج بتایا ہے تو ہم آمادہ ہو گئیں۔"

"ہوں، ان بے ہوش لڑکیوں کو اٹھالو اور ہٹ کی طرف چلو۔ کچھ کھانے پینے کا بندوبست بھی ہے یا ماہرِ نفسیات نے ریت پھانکنے کو کہہ رکھا ہے؟"

"ہم تو اپنا کھانا کھا چکی ہیں۔ تمھارے لیے پرہیزی غذا رکھی ہے۔ چاہو تو کھا لو، واپس چل کر۔"

"پرہیزی غذا؟" عمران نے دیدے نچائے۔

"ہاں۔۔ تم اپنے لیے مونگ کی دال پکوا کر اپنے ساتھ لائے تھے۔"

"ہائے مر گیا۔۔۔ لے او سلیمان۔۔۔ یاد کروں تجھے شام سویرے۔۔۔ مروا دیا۔۔۔ سب کو بتا دیا کہ میں یہ دال کھا کر انتقال فرمانے کی حد تک بیزار ہو جاتا ہوں۔" وہ کراہتا ہوا واپس جھونپڑے کی طرف چل دیا۔ جھونپڑے کے قریب پہنچ کر اس نے چاروں طرف سے جائزہ لیا۔ خوب غور سے دیکھنے کے بعد معلوم ہوا کہ اسے حال ہی میں تیار کیا گیا ہے۔ عمران نے جھونپڑے سے چند گز دور کسی ویگن کے ٹائروں کے نشانات دیکھے اور پھر جھونپڑی کی تلاشی لینے لگا۔ لیکن وہاں ایک چٹائی، تولیا اور صابن کی ٹکیہ تھی یا پھر دائیں طرف ایک بڑا سا دیگچہ تھا، جو مونگ کی دال سے لبالب بھرا ہوا تھا۔ کچھ اور برتن بھی تھے لیکن بالکل صاف۔۔۔ لڑکیاں اپنا حصہ چٹ کر گئی تھیں۔ نہ جانے کس طرح ایک ماٹا باقی رہ گیا تھا۔ عمران نے اسی پر اکتفا کیا اور جھونپڑے سے نکل آیا۔ لڑکیوں کا غول ایک طرف ریت پر بیٹھا مشورے کر رہا تھا۔ عمران سمندر میں کود گیا۔ پیراکی کے بعد وہ واپس آیا تو جھونپڑے کے قریب ایک ویگن دیکھ کر تیزی سے اُدھر لپکا۔ ویگن سے جو شخصیت اتر رہی تھی، اُسے دیکھ کر عمران کی طبیعت میں چہل آ گئی۔۔۔ وہ تنویر تھا جس کے سر پہ ایک بھی بال نہیں تھا۔ صرف سر پر ہی نہیں، پورے چہرے پر بال نام کی کوئی شے نہیں تھی۔ اس نے گھور کر عمران کو دیکھا اور غرّایا۔

"بڑے راجہ اِندر بنے بیٹھے ہو۔"

"ہائیں۔۔۔ تو کیا تم راجہ باھر ہو۔ میرا مطلب ہے اگر میں اندر تو تم باہر۔۔۔ گولی اندر دم باہر کے مصداق۔ ویسے یہ سر منڈوا کر یہاں کیوں چلے آئے ہو؟"

"بکواس مت کرو۔ یہ لو خط۔۔۔ اسے پڑھ لو۔" تنویر نے جیب سے ایک بند لفافہ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔۔۔

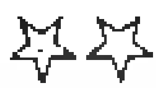
عمران نے خط لے کر کھولا تو اندر سے ایک سبز رنگ کا چھوٹا سا پرچہ نکلا، اُس پر بڑی ہی صفائی سے تحریر تھا۔۔

"اصل مریض کو روانہ کیا جا رہا ہے۔"

عمران نے ایک بے ساختہ قہقہہ ہضم کرنے کی کوشش کی اور پھر وہ پرچہ ایک لڑکی کی طرف بڑھا دیا۔ لڑکی نے پرچہ پڑھا تو اس کے ہونٹوں پر بڑی ہی خوبصورت اور شریری سی مسکراہٹ مچلنے لگی۔ خط کے نیچے لکھنے والے کا نام درج نہیں تھا۔ لیکن عمران سمجھ گیا کہ یہ اسی پُراسرار شخص کی کارستانی ہے، جو چند دنوں سے سیکرٹ سروس کے ممبران کو تگنی کا ناچ نچا رہا تھا۔ خط بند تھا۔ اس لیے عمران سمجھ گیا کہ تنویر کو خط نہ کھولنے کی سختی سے تاکید کی گئی ہوگی۔

خط پڑھنے والی لڑکی نے وہ خط دوسری کی طرف بڑھا دیا، جہاں سے چلتا ہوا وہ خط بارھویں لڑکی کے پاس پہنچ گیا۔ عمران خاموشی سے گاڑی میں جا بیٹھا اور نیم وا نگاہوں سے تنویر کی طرف دیکھنے لگا، جو لڑکیوں کے گھیرے میں بالکل ہونق دکھائی دے رہا تھا۔۔۔

عمران دلچسپی سے دیکھتا رہا۔۔۔ پھر اُس نے گاڑی اسٹارٹ کر کے پھرتی سے موڑی۔ اس سے پہلے کہ کوئی اس کے ارادے سے آگاہ ہوتا، اُس نے گاڑی تیزی سے ایک طرف دوڑا دی۔



ڈاکٹر داور نے حیرت سے عمران کی طرف دیکھا اور پھر مسکرانے لگے۔ انداز سے پتہ چلتا تھا کہ انھیں عمران کی ایک بھی بات پر یقین نہیں آیا۔ اُدھر عمران کے چہرے پر ایسی سنجیدگی تھی، جو پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آئی تھی۔ "سنو صاحبزادے! شیطان لاکھ بھیس بدل کر سامنے آئے، اس کی اصلی خباثت نہیں جاتی۔ تم جو یہ سنجیدگی طاری کیے بیٹھے ہو، اس پر یقین کرنا میرے بس سے باہر ہے۔ لہٰذا چلتے پھرتے نظر آؤ۔ میں آج کل بہت مصروف ہوں۔"

"میں واقعی بہت سنجیدہ تھا جناب۔ بہر طور، جب آپ کو یقین نہیں آتا تو مجبوری ہے۔ میں کوئی اور بندوبست کر لوں گا۔" عمران یہ کہہ کر اُٹھ گیا

ڈاکٹر داور کے چہرے پر تذبذب کے آثار پیدا ہو گئے۔

"آخر تم بتاتے کیوں نہیں کہ معاملہ کیا ہے۔ تم یہاں لیبارٹری

میں کیا کرنے جا رہے ہو؟ مجھے وہ تباہ کن دائرے آج بھی یاد ہیں، جنہیں تم نے نہ جانے کیسے انڈے میں داخل کر دیا تھا۔"

"خدا حافظ۔" عمران نے کہا اور اپنی سیٹ سے اُٹھ گیا۔ ابھی وہ ڈاکٹر داور کے قریب سے گزرنا ہی چاہتا تھا کہ انھوں نے اس کا بازو تھام لیا اور ایک جھٹکے سے اُسے دوبارہ کرسی کی طرف دھکیل دیا۔ "ہوں۔ چلو بتاؤ.. تم کیا چاہتے ہو؟"

"جانے دیجیے۔" عمران بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "صرف اِسی لیے میں کبھی سنجیدہ نہیں ہوتا، کیونکہ سنجیدگی کو بھی مذاق پر محمول کر دیا جائے تو پھر ہو چکی دکانداری۔"

"زیادہ بکواس نہیں۔ چلو شروع ہو جاؤ۔" ڈاکٹر داور نے اُسے ڈانٹ دیا۔

"سوائے اس کے کچھ نہیں کہ آپ کچھ دیر کے لیے لیبارٹری چھوڑ دیں۔ میں چند سوالات مشین کے ریکارڈر پر ٹیپ کروں گا۔ اس کے بعد آپ واپس لیبارٹری میں آ جائیں مجھے تنویمی اثرات میں لیں اور ٹیپ ریکارڈر کو آن کر کے دوبارہ لیبارٹری سے نکل جائیں۔"

"آخر تم مجھ سے کیا چھپانا چاہتے ہو؟"

"میں پہلے بھی آپ سے جانے کی اجازت طلب کر چکا ہوں، جناب۔" اس مرتبہ عمران کے لہجے میں ہلکی سی سختی تھی، جسے محسوس کر کے ڈاکٹر داور خاموشی سے اُٹھے اور لیبارٹری سے باہر چلے گئے۔ عمران انھیں باہر نکلتے دیکھتا رہا۔ جب ڈاکٹر داور لیبارٹری کا دروازہ بند کر کے نگاہوں سے اوجھل ہو گئے تو وہ اپنی جگہ سے اُٹھا۔ دھیرے دھیرے چلتا ہوا دروازے تک پہنچا۔ دروازہ لاک کیا اور وہ اسپیشل بولٹ بھی چڑھا دیا جس کی وجہ سے لاک کھلنے کے باوجود دروازہ نہیں کھولا جا سکتا تھا۔

ساحل سے ایسی بےپروہ لڑکیوں کی باتوں سے بہت اُلجھ گیا تھا۔ اب تک کیس کا سر پیر اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ یہ بات کسی طرح بھی قرینِ قیاس نہیں تھی کہ خود عمران نے ہی ان لڑکیوں کو ایک ہزار روپے دے کر ریت کی مالش اور پیراکی کے لیے کہا ہو۔ لیکن سب لڑکیاں بضد تھیں کہ اُسی نے کہا تھا۔ پھر وہ خط جو تنویر لے کر وہاں پہنچا تھا، اُس سے تو یہ سمجھنا نہایت ہی آسان تھا کہ وہ حرکت کسی اور کی ہے لیکن ایک امکانی جائزہ تھا، وہ اُسے پورا کر کے ہی کوئی نیا لائحہ عمل طے کر سکتا تھا۔ ذہن پر تنویمی اثرات طاری کرنے والی یہ مشین حال ہی میں ڈاکٹر داور نے ایجاد کی تھی۔ اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ معمول اپنی ہی آواز میں ریکارڈ کیے ہوئے سوالوں کا جواب دینے کے لیے ذہنی طور پر تیار ہو جاتا تھا... اور پھر ان تمام باتوں کو مشین ریکارڈ بھی کر لیتی تھی، جو انسان، ذہنی نیند کے عالم میں بولتا ہے۔

عمران نے جیب سے ایک کیسٹ نکال کر مشین کے ٹیپ ریکارڈر میں ڈالی اور تحکمانہ لہجے میں سوالات کا سلسلہ شروع کر دیا۔ "تم کون ہو؟ ... تمھاری مخفی حیثیت کیا ہے؟ تم نے جُولیا کو تنویر سے شادی پر کیوں مجبور کیا...؟ صفدر کو اب تک تم کیا کیا احکامات دے چکے ہو؟"

اسی طرح اُس نے کئی ایسے سوالات ریکارڈ کیے جن میں اس نے ایکسٹو کا نام کئی جگہ استعمال کیا۔ شاید اسی وجہ سے اس نے ڈاکٹر داور کو بھگا دیا تھا۔ ٹیپ ریکارڈر کی وائر کو میگا فون سے منسلک کرنے کے بعد اس نے مشین کی اسٹاپ واچ پر وقت سیٹ کر دیا اور اسی وقت کے حساب سے مشین کا میٹر بھی سیٹ کر دیا تاکہ مقررہ وقت پر ٹیپ خود بخود چل پڑے اور سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہو جائے۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ تیزی سے لیبارٹری کے دروازے پر پہنچا۔ دروازہ کھولا اور ڈاکٹر داور کو اندر بُلا لیا۔

ڈاکٹر بڑی سنجیدگی سے اُسے گھورتے ہوئے مشین تک آ گئے۔ عمران خاموشی سے مشین کے سامنے بنے ہوئے ایک پلیٹ فارم پر لیٹ گیا۔ ڈاکٹر داور نے مشین پر سیٹ کیا ہوا وقت دیکھا، اور ان کا منہ بن گیا۔ اچانک عمران اٹھ گیا۔ کسی خیال سے اُس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ وہ پلیٹ فارم سے اتر کر ڈاکٹر کے پاس آیا اور ان سے پلیٹ فارم پر لیٹ جانے کی درخواست کی۔ "کیا مطلب؟" ڈاکٹر داور غرائے۔

"پلیز ڈاکٹر، وقت ضائع نہ کریں۔" عمران نے دوبارہ استدعا کی۔

"آخر تم چاہتے کیا ہو۔ کیا تم مجھے ہپناٹائز کرنا چاہتے ہو؟"

"جی ہاں۔ اگر آپ بُرا نہ مانیں تو..."

"ہوں... تم سے سمجھ لوں گا، سؤر!... اتنی پردہ داریاں... میں تمھیں دیکھ لوں گا۔ آخر کیا سمجھ رکھا ہے، مجھے... غضب

خدا کا، کل کے لونڈے اپنے بزرگوں پر اعتماد نہیں کرتے۔"
وہ بڑبڑاتے ہوئے پلیٹ فارم پر لیٹ گئے اور... مسلسل بڑبڑاتے رہے۔

عمران نے مشین آن کر دی۔ مشین کے سامنے والے حصے سے سبز شعاعوں کا جال سا برآمد ہوا اور جس پلیٹ فارم پر ڈاکٹر داور لیٹے ہوئے تھے، وہ اس روشنی میں نہا گیا۔ ڈاکٹر کی بڑبڑاہٹ ختم ہو گئی اور وہ چھت کی طرف گھورتے ہوئے چت لیٹے رہے۔ عمران نے میگنی فائنگ گلاس میں اُن کا چہرہ سیٹ کیا اور تاثرات دیکھنے لگا۔ ڈاکٹر کے چہرے پر مکمل سکون تھا۔ آنکھیں البتہ قدرے سُتی ہوئی تھیں۔

لگ بھگ تین منٹ بعد عمران مائیک میں بولنے لگا۔

"آپ سو رہے ہیں ڈاکٹر... آپ کو نیند آ رہی ہے۔ آپ کا ذہن بیدار رہے گا... کیا آپ میری باتوں کا جواب دیں گے...؟" عمران کے لہجے میں تحکم اُبھر آیا۔

ڈاکٹر داور نے کوئی جواب نہیں دیا۔ عمران نے وہی جملہ دوبارہ دُہرایا۔ اس مرتبہ بھی آواز ندارد۔ عمران نے جملہ دُہرانا شروع کر دیا۔ کچھ دیر بعد اسپیکر پر ڈاکٹر کی مدھم سی آواز سنائی دی، جو لحہ بہ لحہ تیز ہوتی چلی گئی۔ "میں تمہارے سوالوں کا جواب دوں گا۔"

"آپ عمران کے بارے میں کس اُلجھن کا شکار ہیں؟"

"عمران، بہت ذہین لڑکا ہے... میں الجھن میں ہوں کہ اِن دنوں وہ کیا کر رہا ہے؟ اس نے مجھے لیبارٹری سے نکال کر نہ جانے یہاں کیا کیا تھا۔ میں اس کی سائنسی صلاحیتوں سے واقف ہوں، اس لیے میں اس کرید میں ہوں کہ وہ کیا کر رہا ہے یا کرنا چاہتا ہے؟"

"کیا آپ کے پاس کوئی ایسا ذریعہ ہے جس سے آپ یہ سب کچھ معلوم کر سکتے ہوں؟"

"ہاں، ہپناٹزم کی مشین میں ایک خفیہ ٹیپ موجود ہے جو ہر چیز ریکارڈ کر لیتا ہے، میں بعد میں اُسے سُن لوں گا۔"

"آپ سو رہے ہیں... لیکن آپ کا ذہن بیدار ہے۔"

"ہاں، میں سو رہا ہوں... میں سو رہا ہوں۔"

"میں آپ کو چند احکامات دینا چاہتا ہوں۔"

"میں تمہارے ہر حکم پر عمل کروں گا۔"

"آپ تنویمی حالت میں اٹھ کر مشین کا کنٹرول سنبھالیں گے اور ٹھیک پندرہ منٹ بعد واپس آ کر مشین کی تنویمی شعاعوں کا سلسلہ ختم کر دیں گے۔"

"میں ایسا ہی کروں گا...؟"

"آل رائٹ! دو سیکنڈ بعد آپ اُٹھ جائیں گے..."

یہ کہہ کر عمران نے پھرتی سے ایک بٹن دبا دیا۔

سبز روشنی میں سفید رنگ کی چند لہریں تڑپنے لگیں۔ ڈاکٹر داور کا چہرہ اور آنکھیں میگنی فائنگ گلاس میں خوابیدہ دکھائی دینے لگیں۔ عمران کنٹرول سے ہٹ گیا اور پلیٹ فارم سے کچھ فاصلے پر کھڑا ہو گیا۔ ڈاکٹر داور خاموشی سے اُٹھنے لگے۔ وہ پلیٹ فارم پر سیدھے بیٹھ کر یوں نیچے اُترنے لگے، جیسے انسان کی بجائے مشینی آدمی رہے ہوں۔

... وہ پلیٹ فارم سے اتر کر کنٹرول کی طرف بڑھ گئے۔ انھوں نے لیور گھما کر سبز اور سفید روشنی کا سلسلہ منقطع کر دیا۔ عمران اُچک کر پلیٹ فارم پر پہنچ گیا۔ جیسے ہی وہ لیٹا، ڈاکٹر نے سبز شعاعوں کو پھیلانے والا بٹن دبا دیا۔ چند لمحوں میں عمران سبز روشنی میں نہا گیا۔ اس کا چہرہ پُرسکون ہو گیا تھا۔

کچھ دیر وہ خاموش پڑا رہا پھر اس کے ذہن میں ایک جھماکہ سا ہوا اور اسپیکر سے خود اس کی اپنی آواز اُبھرنے لگی۔ ... سوالات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ عمران کے ذہن پر خمار سا چھا گیا اور وہ خود اپنے ہی سوالوں کا جواب دینے لگا۔ ٹیپ چلتا رہا... روشنی کا سیلاب اس کے پورے جسم پر چھایا رہا۔ چند سوالوں کے جواب میں اس کے چہرے پر گہری پریشانی اور تذبذب کے آثار پیدا ہوئے لیکن اس نے ہر بات کا جواب دے دیا۔

مقررہ وقت پر ڈاکٹر داور نے مشین بند کر دی اور اپنی جگہ ساکت کھڑے رہے۔ عمران پلیٹ فارم سے اُٹھا اور نیچے اُتر آیا۔ اس نے ڈاکٹر کی طرف دیکھا، جو ایک طرف کھڑے خلا میں گھور رہے تھے۔ عمران نے انھیں حکم دیا کہ وہ دوبارہ پلیٹ فارم پر لیٹ جائیں۔ بالکل تنویمی انداز میں وہ پلیٹ فارم کی طرف بڑھے اور لیٹ گئے۔ عمران نے مشین آن کر دی اور ڈاکٹر داور کا جسم ایک مرتبہ پھر سبز روشنی میں نہا گیا۔ سفید دُودھیا لہریں اِس مرتبہ بھی سبز روشنی میں تڑپ رہی تھیں۔ اِن لہروں کی خصوصیت تھی کہ یہ تنویمی اثرات کو مستقل کر دیتی تھیں، یہی وجہ تھی کہ ڈاکٹر داور مشین کے کنٹرول سے ہٹنے کے بعد بھی تنویمی اثر میں رہے۔

عمران نے مشین کے نچلے حصے میں لگے ہوئے ایک چھوٹے سے وہیل کو گھمایا تو سفید شعاعوں کا جال آہستہ آہستہ ختم ہو گیا اور پلیٹ فارم پر صرف سبز روشنی باقی رہ گئی۔ سفید شعاعوں کے ختم ہوتے ہی ڈاکٹر داور نے سر کو دائیں بائیں جھٹکا دیا۔ عمران میگنی فائنگ گلاس میں ان کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ ڈاکٹر کے چہرے پر گہرے کرب و اضطراب کی جھلک تھی، جو چند لمحوں تک چھائی رہی، پھر اُن کا چہرہ پُرسکون ہو گیا۔ ”ڈاکٹر... کیا آپ میری آواز سُن رہے ہیں؟“

”ہاں... میں سُن رہا ہوں۔“

”کیا آپ کو یاد ہے، آپ نے ابھی کچھ دیر پہلے کیا کہا تھا؟“ یہ کہہ کر عمران نے شیشے میں دیکھا۔ ڈاکٹر کے چہرے پر اضطراب کے تاثرات دوبارہ پیدا ہو گئے۔ پھر اُن کی آواز سُنائی دی: ”میں یہیں بیٹھا تھا اور سوالوں کا جواب دے رہا تھا۔“

”کیا آپ کو یقین ہے کہ آپ اپنی جگہ سے ایک لمحے کے لیے بھی نہیں اُٹھے تھے؟“

”ہاں، مجھے یقین ہے۔ میں شروع سے اب تک یہیں لیٹا ہوا ہوں اور ایک لمحے کے لیے بھی اپنی جگہ سے نہیں اٹھا۔“

”ٹھیک ہے ڈاکٹر... اب آپ گہری نیند سو جائیں... آدھ گھنٹے بعد آپ بالکل نارمل حالت میں بیدار ہوں گے... اور آپ یہ بھی بھول جائیں گے کہ میں آج آپ سے ملا تھا۔ کیا آپ سُن رہے ہیں ڈاکٹر؟“

”ہاں...“ ڈاکٹر کی بھرائی ہوئی آواز سُنائی دی۔ ”میں سب کچھ بھول جاؤں گا۔ مجھے گہری نیند آ رہی ہے... میں سو رہا ہوں... میں سو رہا... سو رہا ہوں۔“ ڈاکٹر کی آواز سُنائی دیتی رہی پھر اچانک ہی معدوم ہو گئی۔

عمران نے مشین آف کر دی اور ٹیپ نکال لیا۔ پھر اُس نے ڈاکٹر داور کی بتائی ہوئی جگہ سے وہ خفیہ ٹیپ بھی نکال لیا۔ یہ ٹیپ خاصا بڑا تھا۔ عمران نے اُسے ریکارڈر پر چڑھا کر سُنا اور اس تمام گفتگو کو صاف کر دیا جو عمران اور ڈاکٹر کے خلاف آخر تک ہوتی رہی تھی۔ ڈاکٹر پلیٹ فارم پر دراز تھے۔ عمران خاموشی سے باہر نکل آیا۔ اب وہ اطمینان سے اس ٹیپ کو سُننا چاہتا تھا جو خود اسی کے سوال و جواب پر مشتمل تھا۔

باہر آ کر اُس نے ایک ٹیکسی رکی اور ڈرائیور کو اپنے فلیٹ کا پتہ بتا کر عقبی نشست پر نیم دراز ہو گیا۔ اس نے جیب ٹٹول کر چیونگم کا پیکٹ نکالا اور دو تین پیس منہ میں ڈال کر انہیں دھیرے دھیرے کچلنے لگا۔

گھر پہنچتے ہی اس نے ٹیپ سُنا تو چہرے پر اطمینان پھیل گیا۔ اسے جو خود پر شبہ تھا، وہ دُور ہو گیا۔ نفسیات کی ایک اصطلاح کے مطابق اس نے خود کو دُہری شخصیت کا شکار سمجھ کر ایسا کرنا ضروری خیال کیا تھا۔ اب اس کا ذہن ایک نئے ہی راستے پر سوچ رہا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر پُراسرار مسکراہٹ دوڑ گئی... وہ مسکراہٹ جو کامیابی کو قریب محسوس کر کے اس کے لبوں پر پھیل جاتی تھی!



فون کی گھنٹی بہت دیر سے چلا رہی تھی۔ عمران نے ایک طویل انگڑائی لی اور فون کی طرف بڑھ گیا۔ ریسیور اٹھایا تو گنگناتے ہوئے لہجے میں بولا ”علی عمران مع اپنی کنواری ڈگریوں کے...“

”میں صفدر بول رہا ہوں، عمران صاحب!“

”اوہ، بولو پیارے، ہنستے بولتے رہنا صحت کے لیے بے حد مفید ہوتا ہے۔ پچھلے سال ایک محترمہ بول چال کے مقابلے میں شریک ہونے کے بعد سے اب تک خاموش ہے۔ سُنا ہے اُسے...“

”میں چند ضروری اطلاعات دینا چاہتا ہوں، عمران صاحب۔ سنجیدگی اختیار کریں... حالات بہت مخدوش ہو رہے ہیں!“

”کہو یار... میں سُن رہا ہوں۔ سنجیدگی سے۔“ جملے کا اختتام اُس نے رُندھے ہوئے لہجے میں کیا تھا۔

صفدر کی ہنسی نکل گئی... پھر اس نے انتہائی متانت سے کہنا شروع کیا۔ ”آپ کو معلوم ہے، عمران صاحب۔ کل جب میں آپ کے فلیٹ سے رُخصت ہوا تھا تو میں نے کسی ہوٹل کا رُخ کرنے کی بجائے نیچے کھڑے رہ کر آپ کا انتظار کیا اور پھر آپ کے تعاقب میں جولیا کے فلیٹ تک پہنچ گیا۔“

”ہائیں... یعنی آپ میرا تعاقب کرتے رہے۔“ عمران حیرت سے منہ پھاڑ کر بولا۔

"جی ہاں... اور اس تعاقب کے بعد چند حیرت انگیز حقائق سامنے آئے ہیں۔"

"بتا دو پیارے بھائی۔ میں اس وقت مرگی کے دورے کا منتظر ہوں۔ ممکن ہے، اس تمہید کی وجہ سے دورہ کچھ جلدی شروع ہو جائے۔"

جواباً صفدر نے واقعات کی تفصیل اس کے گوش گزار کی اور پھر بولا "میں، چوہان، صدیقی اور نعمانی کو لے کر ہوٹل آکسفورڈ میں مقیم ہوں۔ اب بتائیے کیا کیا جائے؟"

"ہوں..." عمران پُرسوچ لہجے میں بولا "ٹھیک ہے، تم لوگ فی الحال وہیں ڈٹے رہو۔ میں آج رات کسی وقت رابطہ قائم کروں گا یا خود ملنے آؤں گا، لیکن خبردار، تم میں سے کوئی بھی سامنے نہ آئے۔ کمرے میں رہو یا پھر انتہائی ضرورت کے تحت نیچے اُترو، تو میک اَپ کے بغیر نہیں...!"

"اِن حالات سے تو یُوں محسوس ہوتا ہے، عمران صاحب! جیسے یا تو ایکسٹو دیوانہ ہو گیا ہے یا پھر کوئی اور شخص اس کا رول ادا کر کے ہمیں پریشان کر رہا ہے۔"

"اللہ تمہیں مزید سُوجھ بُوجھ عطا فرمائے۔" عمران نے ریسیور رکھ کر دُعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے۔ کچھ دیر وہ زیرِلب دُعائیں بڑبڑاتا رہا پھر ریسیور اٹھا کر بات کرنے لگا تو بُری طرح چونک پڑا کیونکہ ریسیور تو اس نے کریڈل پر ڈال دیا تھا۔ اِس لیے صفدر نے سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔ اس نے دائیں ہاتھ کا گھونسہ بنایا لیکن اس سے پہلے کہ وہ گھونسہ اپنے سر میں دے مارتا، فون کی گھنٹی دوبارہ گنگنا اٹھی۔ اس نے فون کو ہی گھونسہ دکھا دیا اور پھر ریسیور اٹھا کر پُوری قوت سے چلایا "جی ہاں، میں علی عمران ہوں۔ اب توڑ لیجیے جو ٹانگ توڑنی ہے میری۔ ناک میں دم کر رکھا ہے۔ جسے دیکھو، فون کیے جا رہا ہے۔ ارے کیا سامنے آ کر بات کرتے ہوئے ڈرتے ہو!"

"عمران...!" دوسری طرف سے انتہائی سرد اور تحکمانہ دہاڑ سنائی دی اور عمران کی کھوپڑی میں گھنٹیاں سی بجنے لگیں۔ آواز صد فی صد ایکسٹو کی تھی۔ وہی بھرایا ہوا مخصوص لہجہ، جس میں گفتگو کرتے وقت عموماً اس کے گلے میں خراش پڑ جاتی تھی۔

"بولو بولو پیارے کیا بات ہے؟"

"شٹ اپ۔ کیا تمہیں مجھ سے بات کرنے کی بھی تمیز نہیں۔ کھال میں بھس بھروا دوں گا!"

"اماں تم کون ہو، بھائی؟" عمران نے کراہ کر کہا۔

"ایکسٹو...!" دوسری طرف سے غراہٹ سی سنائی دی۔

"یعنی واقعی... لل... لیکن جناب، آپ تو اس یک چشم حسینہ دلربا کے تعاقب میں خطِ استوا پر جا کھڑے تھے...!" عمران دھیرے دھیرے کھوپڑی کا عقبی حصہ ٹٹولنے لگا۔ اس کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔

"کیا بکتے ہو؟" دوسری طرف سے آنے والی آواز میں تحیّر کی جھلک نمایاں تھی۔ جیسے ایکسٹو کو عمران سے اِس قسم کی گفتگو کی توقع نہ رہی ہو۔

"آپ ہی نے تو فرمایا تھا، جناب کہ آپ کی محبوبہ کے سُسر نے یہ شرط رکھی ہے کہ وہ اپنی بہو کو اس شخص سے بیاہے گا جو تین گھنٹے خطِ استوا پر سر کے بل کھڑا رہے گا... اور آپ اس شرط کو پُورا کرنے گئے تھے۔ کب واپسی ہوئی؟"

"شٹ اپ، نان سنس۔" ایکسٹو جواباً غرایا "کتنی بار کہا ہے کہ مجھ سے گفتگو کرتے وقت ادب ملحوظ رکھا کرو۔"

"جی، کیا فرمایا تھا آپ نے! میں تو پہلی مرتبہ سُن رہا ہوں۔"

"بکواس مت کرو۔ ابھی اور اسی وقت اپنے تمام ساتھیوں کے ساتھ کیفے منگولیا پہنچ جاؤ۔" ایکسٹو نے اس کی بک بک نظرانداز کرتے ہوئے حکم دیا۔

"جی، بہت اچھا۔ وہاں جا کر کیا افطار کریں گے ہم سب؟"

"نہیں، تم سب الگ الگ میزوں پر بیٹھو گے۔"

"اور اگر ہوٹل والوں نے اسے ایٹی کیٹ کے خلاف تصوّر کرتے ہوئے ہمیں نکال باہر کیا تو؟" عمران نے جھٹ جملہ اُچک لیا۔

"کیا مطلب؟" ایکسٹو کے لہجے میں استعجاب تھا۔

"جی میز پر بیٹھنا شریف آدمیوں کا تو کام نہیں۔"

"ہوں، میرا خیال ہے، تم اب کچھ زیادہ ہی منہ پھٹ ہو گئے ہو۔ اگر تم نے سنجیدگی سے گفتگو نہ کی تو پھر

عتاب کے لیے تیار رہنا۔ تم جانتے ہو، میں بار بار تنبیہہ کرنا پسند نہیں کرتا۔"

"جی ہاں، بار بار تنبیہہ کرنے سے آدمی بانجھ ہو جاتا ہے۔ مم... میرا مطلب تھا، جناب ہمہ تن غرگوشش... سوری گوشت... کیا کہتے ہیں، جناب اُسے، وہ جو سر سے پاؤں تک سُننے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔"

"شٹ اپ۔" ایکسٹو اتنے زور سے دہاڑا کہ عمران نے گھبرا کر اپنا گلا تھام لیا۔ ویسے وہ دل ہی دل میں اس شخص کے حوصلے کی داد دینے لگا جس نے اس قدر گرجنے کے باوجود مخصوص بھرّایا ہوا لہجہ برقرار رکھا تھا۔ عمران کو یقین تھا کہ اگر وہ خود اتنی زبردست دہاڑ اپنے حلق سے نکالتا تو اُس کی آواز یقیناً پھٹ جاتی۔ "اپنے کیا کبھی قوال کے بچے ہو۔" وہ بڑبڑایا لیکن آواز پھر بھی اتنی بلند رہی کہ دوسری طرف بولنے والے نے سُن لی تھی۔ جواباً ایکسٹو کے لہجے میں بولنے والا بھڑک اٹھا۔ اُس نے عمران کو خاصی ڈانٹ ڈپٹ کے بعد دوبارہ کہنا شروع کیا۔ "تم ابھی اور اسی وقت تمام ساتھیوں کو لے کر مقررہ جگہ پہنچو گے۔"

"مگر جناب، کیا آپ نے عقل کے ناخن کسی پڑوسن کو اُدھار دے رکھے ہیں۔" عمران نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔ "جوُلیا اور تنویر سنی مُون منانے مریخ پہنچے ہوئے ہیں۔ صفدر سر منڈوا کر پاگل خانے میں بیٹھا اولے پڑنے کا منتظر ہے۔"

"کیا بکتے ہو؟"

"ٹھیک بکتا ہوں، جناب۔ سُنا ہے، خاور صاحب استعفٰی دے کر میونسپلٹی کی کسی لیٹرین کا ٹھیکہ لینے والے ہیں۔ نعمانی اور صدیقی کے تو سگریٹ پی پی کر نمونیے میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ چوہان نے اپنے نام کے آخر سے "ن" الگ کر دیا ہے اور کسی بل کی تلاش میں ہے۔ باقی رہا میں... تو حضور کی مہربانی سے ریت کی مالش نے میری اوور ہالنگ کر دی ہے۔"

"سنو عمران...۔" ایکسٹو کا لہجہ پُرسکون تھا۔ "میں جانتا ہوں، اس وقت تمہاری زبانی رَو بہکی ہوئی ہے لیکن پھر بھی تمہیں ایک ماتحت ہونے کی حیثیت سے میری عزت کرنی چاہیے۔ میں بار ہا تنبیہہ کر چکا ہوں، لیکن تمہارے کان پر جوُں تک نہیں رینگتی۔ ایسا نہ ہو کہ مجھے تمہارے لیے کوئی ایسی سزا تجویز کرنی پڑے، جس کے لیے بعد میں خود مجھے بھی دُکھ ہو۔ لہٰذا تم ابھی اور اسی وقت منگولیا پہنچو۔ تمہارے سب ساتھی الگ الگ میزوں پر ہونے چاہئیں۔ وہاں ٹھیک سات بجے تم سب ہنگامہ کرو گے۔ جتنی بھی توڑ پھوڑ کر سکو، کر دو اور واپس اپنے فلیٹ آ جاؤ۔ کیا تم سُن رہے ہو؟"

"جی نہیں، میں ٹوٹ پھوٹ کے سامان کی مالیت کا تخمینہ لگا رہا ہوں۔ وہ کون ادا کرے گا۔ اگر آپ ہی کا ارادہ ہے تو براہِ کرم وہ رقم مجھے دے دیں تاکہ میں شادی کر کے چین، جاپان اور فرانس کی بنسری بجا سکوں۔" عمران نے یہ کہہ کر ریسیور کو گھورنا شروع کر دیا کیونکہ دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا تھا۔ سلسلہ منقطع ہونے سے قبل اُس نے بھرّائی ہوئی آواز میں ایک ناقابلِ فراموش غرّاہٹ بھی سنی تھی، جسے اگر کوئی دوسرا سُنتا تو یقیناً اس کی ریڑھ کی ہڈی دیر تک سنسناتی رہتی۔

ریسیور کریڈل پر ڈال کر وہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اُس کا ذہن ایک مرتبہ پھر اُلجھ گیا تھا۔ ایکسٹو کے لہجے میں حکم دینے والے شخص سے اب تک کوئی ایسی غلطی نہیں ہوئی تھی، جس سے اُس کے ارادوں کے بارے میں پتہ چلتا یا اس کی شخصیت روشنی میں آ جاتی۔ بہرطور، اس نے فوراً ہی سامان نکالا اور میک اپ کرنے بیٹھ گیا۔ چند لمحے بعد اس کے چہرے پر گچھے دار مونچھیں تھیں۔ بائیں رخسار پہ ایک موٹا سا تل اور چہرے کی ساخت کسی پٹھان چوکیدار کی سی تھی، جس میں حقیقت کا رنگ اس ٹوپی اور خاکی وردی نے بھر دیا، جو اُس نے الماری سے نکال کر پہن لی تھی۔ آئینے میں تنقیدی نگاہ ڈالتا ہوا وہ دوبارہ فون کی طرف بڑھ گیا۔ اگلے ہی لمحے وہ آکسفورڈ ہوٹل کے نمبر ڈائل کر رہا تھا۔ چند لمحے منتظر رہنے کے بعد دوسری طرف سے لیڈی آپریٹر کی مترنم آواز سنائی دی...

"یس... فرام آکسفورڈ۔"

"اوہ کب آئیں ڈارلنگ!" عمران زبان پر قابو نہ رکھ سکا۔

"وہاٹ۔ ہو آر یو۔ نان سنس۔" لیڈی آپریٹر کی جھلائی ہوئی آواز سُنائی دی اور عمران کان جھاڑنے لگا۔

"مم... مُعاف کیجیے گا محترمہ، میں سمجھا، میری محبوبہ دل نواز جو آج ہی آکسفورڈ سے آنے والی تھی، وہ بول رہی

ہے ۔" عمران جلدی سے بولا۔

" فرمائیے... کیا بات ہے۔ کس سے ملنا ہے آپ کو ؟" لیڈی آپریٹر کے لہجے میں اب بھی تلخی موجود تھی۔

" رُوم ففٹین، مسٹر صفدر سعید سے کنیکٹ کر دیجیے۔ تھینک یُو اِن ایڈوانس میڈم " اس نے مکھن لگایا۔ جلد ہی دوسری طرف سے صفدر کی آواز سُنائی دی تو وہ بولا۔

" میں ہوں علی عمران۔ تمہارا خالو جان۔ کہو مہربان۔ کیسے ہو؟ سات بجنے میں بیس منٹ باقی ہیں۔۔۔ تم میرا میک اپ کر لو۔ باقی ساتھیوں کو بھی میک اپ میں ہونا چاہیئے تم سب سات بجے سے پہلے ہوٹل منگولیا پہنچ جاؤ۔ ٹھیک سات بجے وہاں ہنگامہ شروع کر دو۔ جتنی توڑ پھوڑ ممکن ہو سکے، کرو اور پھر جوتے سر پہ رکھ کر واپس بھاگ آؤ... کیا سمجھے ؟"

" وہی کہ ایکسٹو کے ساتھ ساتھ اب آپ کا بھی دماغ خراب ہو گیا ہے۔"

" نہیں پیارے... یہ اسی چوہے کا حکم ہے۔"

" کیا سچ ؟" صفدر کے لہجے میں حیرت تھی۔

" ہاں پیارے، اب مزید وقت ضائع نہ کرو۔" عمران نے یہ کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا اور مونچھوں پہ تاؤ دینے لگا۔ چند لمحے غور و فکر میں گزار کر وہ کچن میں جا گھسا اور ایک موٹا سا لٹھ لے کر وہ بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ جلد ہی اُسے ایک خالی رکشہ مل گیا۔ اس نے مونچھوں پر تاؤ دے کر خونخوار نگاہوں سے رکشہ ڈرائیور کو گھورا اور رکشہ میں بیٹھ گیا۔ رکشہ ڈرائیور کو ہوٹل منگولیا چلنے کا کہہ کر وہ نسوار کی ڈبیہ ٹٹولنے لگا، جو اُس خاکی یونیفارم میں نہ جانے کب سے رکھی ہوئی تھی۔ نسوار کی چٹکی بھر کر اُس نے نتھنے سکوڑے اور نظر بچا کر نسوار پھینک دی... رکشہ ڈرائیور تیز رفتاری سے ہوٹل منگولیا کی طرف جا رہا تھا عقب نما آئینے میں وہ مسلسل عمران کو مرعوب نگاہوں سے دیکھتا رہا لیکن عمران ایک پشتو گانا سیٹی پر دُھن پر چھیڑے، لاپرواہی سے اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔

ہوٹل منگولیا، شہر کے چند خوبصورت ترین ہوٹلوں میں سے ایک تھا۔ عمران اس وقت پٹھان چوکیدار کے میک اپ میں گیٹ پہ براجمان تھا، چونکہ ہوٹل کے گیٹ پر کبھی کوئی چوکیدار دکھائی نہیں دیا تھا، اس لیے عمران نے اسی جگہ کو اپنے لیے منتخب کر لیا... چوکیدار کی موجودگی کسی کو چونکا بھی نہیں سکتی تھی۔ وہ سات بجنے سے صرف چند منٹ پہلے وہاں پہنچا تھا اور اب آنے جانے والوں کو سلام کر کے گویا وہ اپنے رول میں مزید جان ڈال رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اُسے ایک ٹیکسی سے علی عمران اترتا دکھائی دیا۔ عمران دل ہی دل میں صفدر کے میک اپ کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔ اس پہ صفدر کی بے ساختہ اداکاری... عمران نے دل میں سوچا کہ وہ صفدر نہ رہا ہوتا تو علی عمران ہی ہوتا۔

دوسری ٹیکسی سے نعمانی اور پھر اسی طرح مختلف سواریوں سے صدیقی اور چوہان بھی اترتے دکھائی دیے۔ اگرچہ وہ سب کے سب میک اپ میں تھے لیکن عمران کی نگاہوں سے محفوظ نہیں رہ سکے تھے۔ وہ اندر چلے گئے تو عمران چوکنا ہو کر بیٹھ گیا۔ ٹھیک سات بجے، ایک سیاہ رنگ کی ویگن گیٹ کے سامنے آ کر رُکی۔ عمران نے فرنٹ سیٹ پر جو چہرہ دیکھا، اُسے دیکھ کر اُس کا دل بلیوں اُچھلنے لگا، اور اس نے دل ہی دل میں "وہ مارا" کا نعرہ بلند کیا۔ ڈرائیونگ سیٹ کی طرف لپک کر اس نے کھڑکی سے اس کریہہ المنظر شخص کو سلام کیا اور مونچھوں کو تاؤ دے کر بولا "صاحب تم یہ موٹر کدھر کھڑی کرنی ؟"

" پارکنگ میں..." وہ شخص سرد لہجے میں بولا۔

" اُدھر جگہ نئیں ہے صاحب۔ اِدھر فٹ پاتھ پر چھوڑ دو، ہم اِسے دیکھتی رہے گی۔" اُس نے جھٹ اپنی خدمات پیش کر دیں۔

" ٹھیک ہے۔" بدصورت شخص نیچے اُترتے ہوئے بولا۔ " سُنو، اگر تم اِس ویگن کی صفائی وغیرہ بھی کر دو، تو خوب انعام ملے گا۔"

" شوکریہ... شوکریہ جناب۔" عمران نے فوراً لٹھ پھینک کر گاڑی صاف کرنا شروع کر دی۔ کریہہ الشکل آدمی چند لمحے اُسے گھورتا رہا، پھر اس نے جیب سے پانچ کا نوٹ نکالا اور عمران کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔" لو خان، یہ رکھ لو۔"

" رکھ لوں ؟" عمران حیرت سے بولا "کیا واپسی پہ واپس مانگے گی ؟"

" نہیں، یہ تمہارا انعام ہے۔" وہ شخص مسکرایا لیکن

اُس کی مسکراہٹ بے حد بھیانک تھی۔ عمران کو یوں محسوس ہوا، جیسے کسی بھیڑیے نے لمحہ بھر کے لیے منہ پھاڑ کر جماہی لی ہو۔ اس شخص کے نچلے ہونٹ میں گڑا ہوا دانت اُسے کچھ اور بھی بھیانک بنا رہا تھا۔ عمران نے نوٹ لے لیا اور احتیاط سے تہہ کر کے جیب میں رکھ لیا۔

کریہہ الصورت شخص لڑکھڑاتی ہوئی چال سے ہوٹل میں گھس گیا۔ ابھی وہ ہال میں داخل ہوا ہی تھا کہ ہوٹل میں بے پناہ شور بلند ہونے لگا۔ کرسیاں پھینکنے اور کراکری ٹوٹنے کی آوازیں بتا رہی تھیں کہ اندر ہنگامہ شروع ہو گیا ہے۔

عمران زیرِلب مسکرانے لگا۔ اچانک وہ چونک پڑا۔ اگلے ہی لمحے وہ لٹھ سنبھالے ہال کی طرف بھاگا۔ یہ خیال اچانک ہی اس کے ذہن میں پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں وہ پُراسرار شخص عقبی دروازے سے نکل کر فرار نہ ہو گیا ہو۔ ابھی وہ دروازے پر ہی پہنچا تھا کہ لوگوں کا ایک بڑا ریلا باہر نکلتا دکھائی دیا جس کی وجہ سے عمران کے قدم رُک گئے۔ آگے بڑھنا محال تھا اور اس وقت تک وہ شخص غائب بھی ہو سکتا تھا۔ ایسے میں ویگن کو نظروں میں نہ رکھنا کھلی ہوئی حماقت تھی۔ وہ تیزی سے واپس بھاگا اور گیٹ پر آ کر جم گیا۔

ہوٹل میں شور اس قدر بڑھ گیا تھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ کچھ نسوانی چیخیں بھی سنائی دے رہی تھیں لیکن سب سے زیادہ شور برتنوں کے گرنے اور کرسیاں پھینکنے سے پیدا ہو رہا تھا۔ عمران خاموش کھڑا رہا حالانکہ گیٹ تک بھاگ کر پہنچنے والے اُسے حیرت سے گھور رہے تھے کہ وہ کیسا چوکیدار ہے، جو ہوٹل میں ہنگامہ ہونے کے باوجود خاموش کھڑا تماشا دیکھ رہا ہے۔

ہوٹل سے برآمد ہونے والے آدمی بھاگتے ہوئے آتے، جن کے پاس گاڑیاں تھیں، وہ پارکنگ کی طرف لپکتے اور باقی سیدھے گیٹ کی طرف دوڑ پڑتے۔ عمران کا ذہن بری طرح قلابازیاں کھا رہا تھا۔ وہ حیران تھا کہ اب تک وہ کریہہ الشکل آدمی کیوں نہیں نکلا؟ وہ اندر کیا کر رہا ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ عقبی دروازے سے نکل گیا ہو؟ لیکن اگر ایسا ہی تھا تو اُس نے ویگن کو عین گیٹ کے قریب کیوں کھڑا کیا تھا؟ وہ سوچتا رہا اور اُلجھتا رہا۔ اچانک ماحول پولیس کاروں کے سائرن کی آواز سے گونج اٹھا۔ لوگوں میں مزید بھگدڑ مچ گئی۔ جو لوگ گیٹ کے سامنے کھڑے تماشا دیکھ رہے تھے، وہ بھی اِدھر اُدھر کھسکنے لگے کہ مبادا وہ بھی دھر لیے جائیں۔

عمران عجیب مخمصے میں پھنس گیا تھا۔ ڈیوٹی کی وجہ سے وہ جگہ بھی نہیں چھوڑ سکتا تھا اور اگر جگہ چھوڑتا بھی تو کیا کرتا؟ اس پُراسرار شخص کے بارے میں بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ کہاں ہے... اندیشہ ہے یا عقبی دروازے سے راہِ فرار اختیار کر چکا ہے... پھر اُسے اپنی پوزیشن کا احساس ہوا۔ ظاہر ہے، پولیس اس بات میں خاصی دلچسپی لے گی کہ چوکیدار نے مداخلت کیوں نہیں کی؟ سب سے بڑھ کر یہ کہ ہوٹل کی انتظامیہ اُسے پہچاننے سے ہی انکار کر دے گی۔

وہ لپک کر سیاہ ویگن کے قریب پہنچا۔ اُس وقت لوگوں کی بھاگ دوڑ کی وجہ سے کس کو اتنا ہوش تھا کہ اُس کی نقل و حرکت پر نگاہ رکھتا۔ وہ پھرتی سے ویگن کا عقبی دروازہ کھول کر اندر رینگ گیا۔ دروازہ احتیاط سے بند کر کے اُس نے ویگن کا جائزہ لیا۔ عقبی حصے اور ڈرائیونگ سیٹ کے درمیان پارٹیشن ہونے کی وجہ سے وہ حصہ الگ ہو گیا تھا۔ عمران نے اطمینان کی سانس لی اور اطمینان سے ٹانگیں پسار کر پچھلی نشست پر دراز ہو گیا۔ کچھ دیر بعد آوازوں سے ہی اُسے اندازہ ہوا کہ پولیس پہنچ گئی ہے لیکن اس سے پہلے ہی اندر سے توڑ پھوڑ کی آوازیں آنا بند ہو گئی تھیں۔ عمران حیران تھا کہ وہ شخص کہاں غائب ہو گیا؟ وہ اُس کے بارے میں سوچتا رہا اور آرام سے لیٹا چیونگم چباتا رہا۔ اب ویگن والے کا انتظار کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا۔ کچھ دیر بعد اُس نے ویگن کے قریب بھاری قدموں کی آہٹ سنی۔ پھر کوئی چلّا کر بولا۔ "یہ گاڑی کس کی ہے؟"

عمران کی سانسیں بے ترتیب ہونے لگیں۔ اُسے خدشہ لاحق ہوا کہ کہیں کوئی عقبی حصہ کھول کر اندر نہ جھانکنے لگے۔ اسی لمحے کسی کی آواز سنائی دی۔ "یہ گاڑی کس کی ہے؟"

"یہ گاڑی میری ہے... کیوں؟"

"آپ جانتے ہیں، یہاں پارکنگ ممنوع ہے۔" پولیس

والے کی کرخت آواز سُنائی دی لیکن فوراً بعد ہی ویگن والے آدمی کی آواز عمران کے کانوں میں پڑی، وہ کہہ رہا تھا کہ اس نے ہنگامہ ہوتے دیکھا تو اندر یہ معلوم کرنے چلا گیا تھا کہ کیا معاملہ ہے؟

"براہِ کرم گاڑی یہاں سے ہٹا دیں۔"

"لیکن صاحب، بات سمجھ میں نہیں آتی۔ آخر یہ کیسا ہنگامہ تھا؟"

"کچھ غنڈے تھے۔ اُنھوں نے ہوٹل میں توڑ پھوڑ مچائی اور فرار ہو گئے۔"

"ایک بھی نہیں پکڑا گیا؟" آواز میں تحیر تھا۔

"جی نہیں، وہ لوگ یہاں گرفتار ہونے نہیں آئے تھے۔" پولیس والے نے کہا۔

"حد ہو گئی۔ ان دنوں دارالحکومت غنڈوں کا گھر بنا ہوا ہے۔ کہیں چین نہیں۔" ویگن والے شخص کی آواز سُنائی دی اور پھر ویگن کا دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔

عمران خاموش اپنی جگہ دبکا پڑا رہا۔ چند لمحے بعد گاڑی اسٹارٹ ہو گئی اور ایک دھچکے سے آگے بڑھ کر تیز رفتاری سے دوڑنے لگی۔ عمران دھیرے دھیرے اپنی جگہ سے اٹھا اور اس پارٹیشن کی طرف بڑھ گیا... جو ڈرائیونگ سیٹ اور عقبی حصے کو الگ کرتا تھا۔ پارٹیشن کے درمیان ایک چھوٹی سی کھڑکی تھی، جو اس وقت بند تھی۔ اس نے کھڑکی کا پٹ تھوڑا سا سرکایا اور دوسری طرف جھانکنے لگا۔ اسٹیرنگ پر وہی کریہہ الشکل آدمی بیٹھا تھا۔ اُسے دیکھ کر عمران کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

ویگن تیز رفتاری سے جا رہی تھی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا ہوا شخص اطمینان سے ڈرائیو کرتا ہوا گنگنانے لگا تھا۔ عمران چند لمحے اُسے گھورنے کے بعد واپس اپنی سیٹ پر آ گیا۔ جیب سے چیونگم کا نیا پیس نکال کر اس نے منہ میں ڈال لیا اور دھیرے دھیرے کچلنے لگا۔ اطمینان سے نیم دراز ہو کر وہ حالات پر نظرِ ثانی کرنے لگا۔

اچانک ویگن ایک جھٹکے سے رُک گئی۔ ڈرائیونگ سیٹ سے اُتر کر وہ شخص ایک عمارت میں داخل ہو گیا۔ عمران خاموشی سے اپنی جگہ نیم دراز رہا۔ کچھ دیر بعد وہ خاموشی سے اُترا، پھر دبے پاؤں اندر جا گھسا۔ چند کمروں میں تلاش کرنے کے بعد آخر وہ پُراسرار شخص اُسے ایک کمرے میں بیٹھا دکھائی دیا۔ وہ اپنا میک اپ اتار رہا تھا۔ عمران نے جب اُس کی اصل صورت دیکھی تو اس کی کھوپڑی میں ایک دھماکہ سا ہوا اور ہونٹ مسکراہٹ سے پھیلتے چلے گئے اب وہ دھیرے دھیرے اپنی کھوپڑی کا عقبی حصہ سہلا رہا تھا۔

عمران جیسے ہی دانش منزل کے ساؤنڈ پروف کمرے میں داخل ہوا، بلیک زیرو نے مسکرا کر اس کا استقبال کیا۔ عمران نے اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا اور سینکڑوں دُعائیں دیتا ہوا صوفے میں دھنس گیا۔ اُس کے چہرے سے گہری مایوسی برس رہی تھی۔

"کیا بات ہے جناب... آپ کچھ پریشان دکھائی دیتے ہیں؟"

"ہاں فرزند..." عمران نے ایک طویل سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "میں کچھ نہیں بلکہ بہت زیادہ پریشان ہوں۔"

"آخر بات کیا ہے؟" بلیک زیرو نے الجھتے ہوئے دریافت کیا۔

"میں نے تمھیں کچھ دن ہوئے، بتایا تھا کہ کوئی شخص ایکسٹو کی آواز میں ممبروں سے گفتگو کر رہا ہے اس نے بڑے عجیب اور احمقانہ احکامات دے کر ممبروں کی زندگی اجیرن کر رکھی ہے اور اب تو وہ میرے پیچھے منہ ہاتھ دھو کر پڑا ہوا ہے۔ ہائے، اگر وہ لڑکیاں ریت سے مالش کر دیتیں تو میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہ جاتا۔"

"اوہ، آپ نے تذکرہ تو کیا تھا... پھر اس کا کیا رہا...؟"

"کیا بتاؤں پیارے۔ میری تو کھوپڑی ہی چٹخی جا رہی ہے۔ سوچ سوچ کر میں شادی کے قابل بھی نہیں رہ گیا۔ تم ہی کچھ بتاؤ کہ کیا کروں؟"

"آخر آپ بتاتے کیوں نہیں کہ اصل کیا بات ہے؟"

"بات...!" عمران نے ایک طویل سانس لی اور جیب سے چیونگم کا پیکٹ نکال کر پھاڑنے لگا۔ "بات تو کچھ بھی نہیں پیارے، لیکن میں اس شخص کی دیدہ دلیری پر حیران ہوں اور سوچ رہا ہوں کہ اُسے کیا سزا دوں؟"

"اوہ... گویا آپ نے اُسے ڈھونڈ نکالا ہے۔"

"بالکل۔" عمران نے چیونگم کچلتے ہوئے جواب دیا۔

"تو پھر دیر کس بات کی ہے... ہاتھ کیوں نہیں ڈال دیتے؟" بلیک زیرو نے بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

"اگر تم چاہتے ہو تو لو، ڈال دیتا ہوں ہاتھ۔" یہ کہہ کر عمران نے بلیک زیرو کی گردن ناپ لی۔ "کیوں فرزند، یہ کیا حرکت تھی؟"

"مم... میں سمجھا نہیں جناب۔" بلیک زیرو نے بوکھلا کر کہا۔

"سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ تم مرغا بن جاؤ... چلو جلدی۔" عمران نے اس کی گردن پکڑ کر نیچے دھکا دیا اور بلیک زیرو مرغا بن گیا۔ "بس اب شروع ہو جاؤ۔" عمران اطمینان سے اس کی پیٹھ پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "ایک بات بھی ادھوری نہ رہے۔"

"آخر آپ کیا چاہتے ہیں، عمران صاحب؟"

"یہی کہ اب تم اقرار کر لو اور مجھے تفصیلات سے آگاہ کر دو۔"

"اوہ... تو گویا آپ نے مجھے کرید نکالا... لیکن آپ نے میرا سراغ کس طرح لگایا؟" بلیک زیرو کے لہجے میں حیرت تھی۔

"بہت سی وجوہ ہیں پیارے... جن میں سب سے بڑی وجہ تمھاری بے نیازی تھی۔ میں نے تمھیں نقلی ایکسٹو کے بارے میں بتایا تھا۔ تم نے وقتی طور پر تو پریشانی کا اظہار کیا لیکن بعد میں ایک مرتبہ بھی مجھ سے رابطہ قائم نہیں کیا۔ عام حالات میں تم میرا ناک میں دم کر دیتے... کیا یہ کم ہے؟"

"لیکن اس طرح تو صرف آپ مجھ پر شبہ ہی کر سکتے ہیں۔"

"نہیں، میرے پاس یقین کرنے کا جواز بھی موجود ہے۔"

"وہ کیا...؟"

"مون لائٹ بلڈنگ!" عمران نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"اوہ... لیکن آپ وہاں تک کس طرح جا پہنچے...؟" بلیک زیرو کے لہجے سے شدید الجھن اور تحیر جھلک رہا تھا۔

"یہ کس قسم کا کتا ہے؟" ٹام نے اپنے ایک دوست سے پوچھا۔

"یہ پولیس کا کتا ہے۔" دوست نے جواب دیا۔

"مگر یہ پولیس کا کتا معلوم تو نہیں ہوتا۔" ٹام نے شک کا اظہار کیا۔

"تم ٹھیک سمجھے۔" دوست نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ "دراصل یہ سیکرٹ سروس میں ہے۔"

"کیا تم اس چوکیدار کو بھول گئے، جو کل تمھاری ویگن صاف کرتا رہا تھا؟"

"تو وہ آپ تھے؟"

"جی ہاں، اب نکالو پانچ روپے اور..." عمران یہ کہہ کر اٹھ گیا اور بلیک زیرو سیدھا ہو کر فرش پر ہی بیٹھ گیا۔ اس کا چہرہ پسینے سے شرابور تھا۔ آنکھوں میں ندامت کی پرچھائیاں تھیں۔

"ویسے پیارے، یہ تمھیں بیٹھے بٹھلائے سوجھی کیا تھی؟"

"بس، یونہی جناب۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ سیکرٹ سروس کے تمام ممبر بے کاری کے ہاتھوں زنگ آلود ہو رہے تھے۔ کچھ دھول دھپا ہی سہی۔"

"ہوں، اب اس ڈرامے کا آخری منظر سب سے دلچسپ ہوگا۔" عمران یہ کہہ کر مسکراتا ہوا اٹھا اور بلیک زیرو اس کی صورت دیکھنے لگا۔ "تم سر منڈوا کر الفنسٹن اسٹریٹ کے چوراہے پر مرغا بنو گے اور مسلسل تین گھنٹوں تک... اگر تم نے ذرا بھی ادھر ادھر ہونے کی کوشش کی تو کھال کھنچوا دوں گا۔" عمران یہ کہہ کر فون کی طرف بڑھ گیا۔

بلیک زیرو کا منہ لٹک گیا۔

عمران نے ریسیور اٹھایا اور جولیا کو فون کرنے لگا۔ سلسلہ ملتے ہی وہ ایکسٹو کے مخصوص بھرائے ہوئے لہجے میں بولنے لگا۔ "کل دوپہر بارہ بجے الفنسٹن اسٹریٹ کے چوراہے پر ایک گنجا نوجوان مرغا بنا ہوا ہوگا... تمام ممبروں کو ہدایت کر دو کہ وہ اس پر وقفے وقفے سے گندے انڈے اور ٹماٹر پھینکتے رہیں۔ اوور اینڈ آل۔"

